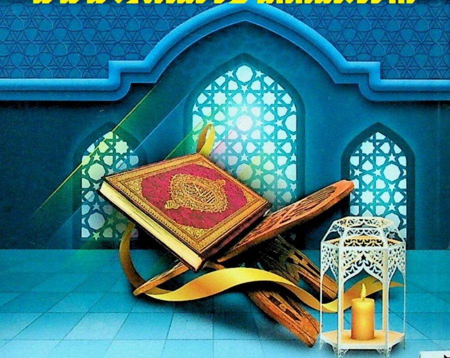
اُصولِ تفسیر



تالیف الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

ترجمہ پیرزادہ شفیق الرحمٰن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

دار المصنفین
DAR-UL-MUSANNIFEEN

مکتبہ احمد بن حنبل


اصولِ تفسیر
شیخ محمد بن صالح العثیمین

دار المصنفین
DAR UL MUSANNAFEEN

اہل قلم و کتاب کا اپنا ادارہ
[illegible]
2020ء

اصولِ تفسیر

مؤلف ——— شیخ محمد بن صالح العثیمین

ترجمہ ——— [illegible]

0300-4262092
0308-6222418 [illegible] G/F-6
0321-4697056
Facebook/Dar-ul-Musannifeen
darulmusannifeen@gmail.com

فہرست مضامین

- شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے حالات زندگی 5
- مقدمۃ المؤلف 9
- قرآن کریم 12
- نزول قرآن 18
- قرآن کی پہلی وحی 21
- ابتدائی وسببی نزول قرآن 24
- اسباب نزول کی معرفت کے فوائد 26
- عموم لفظ اور خصوص سبب 29
- مکی اور مدنی 32
- قرآن کریم کے متفرق نازل ہونے کی حکمت 35
- ترتیب قرآن 37
- کتابت قرآن کریم اور جمع 40
- تفسیر 44
- مسلمان پر واجب تفسیر قرآن 47
- تفسیر قرآن کریم میں مرجع 48
- تفسیر ماثور میں اختلاف 54
- قرآن کریم کا ترجمہ 58
- ترجمہ کرنے کا حکم 58
- مشہور مفسر صحابہ رضی اللہ عنہم 61

- علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 61
- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ 63
- عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما 64
- تابعین میں سے مشہور مفسرین 68
- جناب مجاہد 68
- جناب قتادہ 69
- محکم اور متشابہ قرآن 70
- راسخ علماء اور فتنہ گروں کا متشابہ آیات میں موقف 75
- قرآن میں متشابہت کی اقسام 79
- قرآن کریم کو محکم اور متشابہ میں تقسیم کرنے کا حکم 83
- قرآن میں وہم تعارض کے مقامات 85
- قسم 90
- قصص 93
- قصوں کا تکرار 97
- اسرائیلیات 98
- اسرائیلیات کے بارے میں علماء کا موقف 102
- ضمیر 103
- اظہار کی جگہ اضمار 107
- ضمیر فصل 109
- التفات 111

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے حالات زندگی

نام...... : آپ کا محمد بن صالح بن محمد بن عثیمین المقبل الوھیبی التمیمی ہے۔
کنیت...... : آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

ولادت:

آپ کی ولادت علاقہ قصیم کے ایک شہر عنیزہ میں ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ میں ہوئی۔

پرورش:

آپ نے قرآن کریم کی تعلیم اپنے نانا عبدالرحمٰن بن سلیمان آل دامغ سے حاصل کی۔ ان کے پاس قرآن مجید مکمل حفظ کر لینے کے بعد علم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ پہلے خطاطی اور حساب سیکھا اور پھر ادبی فنون سیکھے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ رحمہ اللہ کو بلا کی ذہانت، بلند ہمت، حصول علم کی حرص اور علماء کرام کی صحبت سے نوازا تھا۔

اساتذہ ومشائخ:

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بہت سے مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے بعض سے عنیزہ میں علم حاصل کیا اور بعض سے ریاض میں، جب آپ باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے وہاں پر مقیم تھے۔ جن مشائخ سے آپ نے استفادہ کیا ان میں سے شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی، امام العصر علامہ شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز، علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی، شیخ علی بن حمد الصالحی، شیخ محمد بن عبدالعزیز المطوع، شیخ عبدالرحمٰن بن علی بن عودان شیخ عبدالرحمٰن بن سلیمان آل دامغ شامل ہیں۔

تلامذہ:

آپ کے تمام شاگردوں کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ کے پاس طلباء کا ایک ہجوم رہتا تھا۔ خصوصاً آخری چند سالوں میں اس تعداد میں خوب اضافہ ہو گیا تھا۔ کبھی کبھار ایک ایک مجلس میں مختلف علمی درجات کے پانچ پانچ سو سے زائد طلباء شریک ہوتے۔

اور جب کبھی آپ کے دروس مکہ، مدینہ یا کسی بڑے شہر میں ہوتے تو ان لوگوں کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی۔ (مترجم)

علمی کارنامے:

آپ نے مختلف علوم وفنون میں کئی علمی کارنامے چھوڑے۔ ان میں سے بعض ریکارڈ شدہ دروس تھے (جنہیں اب تحریری قالب میں ڈھالا جارہا ہے۔ مترجم) اور بعض تصنیفات تھیں۔ ان میں عقیدہ، فقہ، حدیث، اخلاق، سلوک، معاملات، اور دیگر موضوعات شامل ہیں۔ جن کا لوگوں کو علمی طور پر مستفید کرنے میں بہت بڑا اثر رہا۔ خواہ یہ استفادہ کرنے والے طالب علم ہوں یا عوام الناس۔

آپ کے بعض علمی کارناموں میں سے:

- الحموية کی شرح فتح رب البرية
- مصطلح الحديث الأصول من علم الأصول (اصطلاحات حدیث میں)
- وضو، غسل اور نماز کے بارے میں ایک رسالہ
- تارک نماز کے کفر کے بارے میں رسالہ
- مجالس رمضان
- الأضحية و الذكاة
- المنهج لمريدالعمرة و الحج
- تسهيل الفرائض
- لمعة الاعتقاد الهادي إلى سبيل الرشاد
- شرح العقيدة الواسطية
- عقيدة أهل السنة والجماعة
- القواعد المثلى
- رسالة في الحجاب

- رسالة فی الصلاة والطهارة لأهل الأعذار
- مواقيت الصلاة
- سجود السهو فی الصلاة
- أقسام المداينة
- وجوب زكاة الحلی
- تفسير آية الكرسی
- الضياء اللامع من الخطب الجوامع
- الفتاوى النسائية
- زاد الداعية إلى الله
- فتاوى الحج
- المجموع الثمين
- حقوق دعت إليها الفطرة و قررتها الشريعة
- الخلاف بين العلماء أسبابه و موقفنا منه
- من مشكلات الشباب
- رسالة فی المسح على الخفين
- أصول التفسير
- رسالة في الدماء الطبيعية للنساء
- أسئلة مهمة
- الإبداع في كمال الشرع وخطر الابتداع
- إزالة الستار عن الجواب المختار لهداية المحتار
- رسالة في أحكام ا الميت و غسله
- نيل الأرب من قواعد ابن رجب (غير مطبوع)
- منظومة في أصول الفقه
- احكام قصر الصلاة للمسافر (غير مطبوع)
- تفسير آيات الأحكام (غير مطبوع)
- شرح عمدة الأحكام (غير مطبوع)

تخریج أحادیث روض المربع (غیر مطبوع)

- رسالة فی أن الطلاق الثلاث واحدة و لو بکلمات
- مختارات من زاد المعاد
- مختارات من اعلام الموقعین
- مختارات من الطرف الحکمیة
- مجموع الدروس وفتاوی الحرم المکی
- مختارات من فتاوی الصلاة
- الرباء صوره و أقسام الناس فیه
- نبذة فی العقیدة الإسلامیة
- مجموعة أسئلة في بیع و شراء الذهب
- حکمة أرسال الرسل
- شرح أصول الإیمان
- الشرح الممتع علی زاد المستقنع
- المنتقی من فوائد الفوائد
- القول المفید شرح کتاب التوحید

اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں۔

مرض اور وفات:

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا انتقال طویل مرض اور سخت علالت کے بعد بروز بدھ ۱۵ شوال ۱۴۲۱ھ کو ہوا۔ اس مرض میں آپ کا وزن ۳۸ کلوگرام کم ہوگیا۔ یہاں تک کہ آپ کی مدافعانہ صلاحیت بالکل صفر ہوگئی تھی۔ یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے مرض الموت والے سال حرم مکہ میں آپ کے دروس سنے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں رکھے، آپ کا مقام و مرتبہ بلند کرے اور آپ کو اولیاء وصالحین کے ساتھ اکٹھا کر دے۔ آمین

مقدمہ مؤلف

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِيْنُهُ وَ نَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى آلِهِ وَ صَحْبِهِ مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا . أَمَّا بَعْدُ :

یہ بات ہرفن کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس کے اصول سیکھے ۔ جو اس کے لیے اس فن کو سمجھنے اور اس کے اصول کی تخریج میں مددگار ثابت ہوں گے، تاکہ اس کا علم مضبوط اصولوں اور قوی بنیادوں پر مبنی ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو انسان ''اصول سے محروم رہا'' وہ وصول (مقصد پانے) سے محروم رہا۔

فنونِ علم میں سب سے جلیل القدر، بلکہ سب سے بڑا اور اشرف و اعظم علم علمِ تفسیر ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی بیان ہوتے ہیں ۔ اہلِ علم نے اس کے لیے کچھ اصول مقرر کیے ہیں، ایسے ہی علم حدیث اور علم فقہ کے لیے بھی اصول مقرر کیے ہیں۔

میں نے امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی میں تعلیمی انسٹیوٹ کے طلباء کی آسانی کے لیے اس علم میں کچھ لکھا تھا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اس فن میں کچھ منفرد طور پر لکھوں تاکہ یہ رسالہ اختصار کے ساتھ ساتھ جامعیت کا حامل بھی ہو تاکہ یہ کتابچہ آسان اور جامع ہو جائے۔ تو میں نے ان کی طلب پر لبیک کہتے ہوئے یہ بیڑا اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس سے لوگوں کو فائدہ دے۔ اس (علم) کا خلاصہ یہ ہے:

قرآن کریم:

1: نبی کریم ﷺ پر قرآن کب نازل ہوا، اور فرشتوں میں سے کون اسے لے کر نازل ہوا۔
2: قرآن میں سب سے پہلے نازل ہونے والی وحی۔
3: نزول قرآن کی دو قسمیں: ابتدائی اور سببی۔
4: مکی اور مدنی سورتیں اور قرآن کریم کے الگ الگ وقت میں نازل ہونے کی حکمت اور اس کی ترتیب۔
5: عہد نبوی علیہ السلام میں کتابتِ قرآن کریم اور اس کی حفاظت۔
6: سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے ادوار میں قرآن کریم کی جمع۔

تفسیر:

1: تفسیر کا لغوی، اصطلاحی معنی، اس کا حکم اور اس کی غرض و غایت۔
2: مسلمان پر تفسیر قرآن کے متعلق وجوب کا بیان۔
3: تفسیر کا مرجع بذیل امور کی طرف ہوگا:

①: اللہ تعالیٰ کا کلام، اس لیے کہ قرآن کے بعض سے اس کے بعض کی تفسیر ہوتی ہے۔
②: سنت رسول اللہ ﷺ۔ کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پہنچانے والے ہیں اور آپ ﷺ کتاب اللہ میں مراد الٰہی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔
③: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کلام، خاص کر ان میں سے جو اھل علم اور تفسیر کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ کیونکہ قرآن ان کی زبان میں اور ان کے زمانے میں نازل ہوا ہے۔
④: کبار تابعین رحمہم اللہ کا کلام جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر سیکھنے کا اہتمام کیا ہے۔
⑤: سیاق کے لحاظ سے کلمات جن شرعی یا لغوی معانی کے متقاضی ہیں۔ اگر شرعی اور لغوی معنی میں اختلاف ہو تو شرعی معنی ہی لیا جائے گا، سوائے اس کے کہ کوئی قرینہ اس کے لغوی معنی کے قوی اور مقصود ہونے پر دلالت کر رہا ہو۔

4: تفسیر ماثور میں وارد ہونے والے اختلاف کی اقسام۔

5: ترجمہ قرآن: اس کی تعریف، اقسام اوران میں سے ہر قسم کا حکم۔

- پانچ مشہور مفسرین کے حالات زندگی۔ ان میں سے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دو تابعین رحمہم اللہ ہیں۔
- محکم اور متشابہ ہونے کے لحاظ سے قرآن کی اقسام۔
- متشابہ آیات کے بارہ میں راسخین فی العلم علماء اور گمراہ لوگوں کی رائے اور ان کا موقف۔
- حقیقی اور نسبتی متشابہ۔
- قرآن کریم کے تنوع محکم اور متشابہ ہونے میں حکمت۔
- قرآن میں بظاہر تعارض والے مقامات، ان کے جوابات اور ان کی مثالیں۔
- قسم کی تعریف؛ اس کے الفاظ اور اس کے فائدے۔
- قصص: تعریف، غرض وغایت، ان کے بار بار بیان ہونے نیز ان کے مختصر اور لمبا ہونے میں اختلاف کی حکمت اور طریقہ کار۔
- تفسیر میں داخل کی گئیں اسرائیلیات اور ان کے بارے میں علماء کا موقف۔
- ضمیر: اس کی تعریف، اس کا مرجع، ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لانے کا فائدہ، موضوع میں التفات، اس کا فائدہ، ضمیر مفصل اور اس کا فائدہ۔

قرآن کریم

قرآن کا لغوی معنی:

قرآن لغت میں "قرأ" کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے: "تلا" یعنی پڑھنا۔ قرآن جمع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: "قَـرَأ ، قَـرْء أو قُـرْآناً۔" جیسا کہ کہا جاتا ہے: "غَفَرَ ، غَفْر أو غَفْرَاناً"۔ پہلے معنی (پڑھنے) کی بنیاد پر یہ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہوگا یعنی پڑھا گیا۔ اور دوسرے معنی (جمع) کے لحاظ سے یہ مصدر اسم فاعل [جامع] کے معنی میں ہوگا یعنی جمع کرنے والا۔ کیونکہ اس میں احکام اور اخبار جمع ہیں۔

قرآن کریم کا شرعی معنی:

((كلام الله تعالىٰ المنزل على رسوله خاتم أنبيائه محمد ﷺ المبدوٴ بسورة الفاتحة المختوم بسورة الناس . قال الله تعالىٰ ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيْلاً﴾))

یہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے، جو اس کے رسول اور خاتم النبیین محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، جو سورت فاتحہ سے شروع ہوتا ہے اور سورت الناس پر ختم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيْلاً﴾ (الدهر: 23)

''بے شک ہم نے آپ پر قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (يوسف: 2)

''بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔''

اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم کو ہر قسم کے تغیر اور تبدیلی؛ کمی اور زیادتی سے اس طرح سے محفوظ رکھا ہے کہ اس پاک ذات نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر : 9)

''ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ کئی صدیاں گزر چکی ہیں ؛ مگر جب بھی کسی دشمن نے قرآن میں کمی یا زیادتی یا تغیر کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ چاک کیا، اور اس کا انجام رسوا کن رہا۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بہت سے اوصاف بیان کیے ہیں ۔ جو اس کی عظمت' برکت' تاثیر اور ایک کامل کتاب ہونے کی دلیل ہیں ۔ اور مزید یہ کہ یہ کتاب اپنے سے پہلی کتابوں پر حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ﴾ (الحجر : 87)

''اور ہم نے آپ کو سات (آیتیں) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ ﴾ (ق : 1)

''ق؛ قرآن مجید کی قسم۔''

اور فرمایا:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾ (ص : 29)

''(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں

❶ بخلاف سابقہ کتب کے، کہ اہل کتب نے خود ہی ان میں تحریف' تغیر اور تبدیلی کر دی تھی۔

میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَهَـٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾
(الانعام: 155)

''اور یہ کتاب بھی ہم نے ہی اتاری ہے، برکت والی ہے۔ تو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' ❶

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ﴾ (الواقعہ: 77)

''بے شک یہ بڑے رتبے والا قرآن ہے۔''

اور فرمایا:

﴿إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾ (الاسراء: 9)

''بے شک یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَـٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾
(الحشر: 21)

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے پست ہونے والا، ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتا اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَـٰذِهِ إِيمَانًا

❶ آیت کریمہ لعل بمعنی ترجی کے نہیں، بلکہ تعلیل کے لیے ہے، ایسے ہی پورے قرآن میں ہے۔

فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُواْ فَزَادَتْهُمْ إِيْمَاناً وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ٥ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْساً إِلَى رِجْسِهِمْ وَمَاتُواْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (التوبه: 124 تا 125)

''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (مذاق سے) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے تو اس نے ان کو ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی میں زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ﴾ (الانعام: 19)

''اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَاداً كَبِيْراً ﴾ (الانعام: 52)

''تو آپ کافروں کا کہا نہ مانیں، اور ان سے اس قرآن کے حکم پر جہاد کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ (النحل: 89)

''اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا تفصیلی بیان اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ

وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰهُ ﴾ (المائدہ: 48)

''اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگہبان ہے، پس جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا۔''

قرآن کریم اس شریعت اسلامیہ مطہرہ کا مصدر ہے جس شریعت کے ساتھ محمد ﷺ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً﴾ (الفرقان: 1)

''وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ جہان والوں کو ڈرائے۔'' ❶

نیز فرمان الٰہی ہے کہ:

﴿الٓر كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِo اللّٰهِ الَّذِىْ لَهُ مَا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الأَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ (ابراھیم: 1، 2)

''الٓر۔ یہ کتاب، اس کو ہم نے آپ پر اس لئے اتارا ہے تاکہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف نکالیں ان کے رب کے حکم سے غالب اور قابل تعریف رستے کی طرف۔ وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور کافروں کیلئے سخت عذاب (کی وجہ) سے خرابی ہے۔''

سنت رسول اللہ ﷺ بھی ایک تشریعی مصدر ہے جسے قرآن کریم نے اسے برقرار رکھا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ فرقان سے مراد حق اور باطل کے درمیان' اور اولیاء اللہ اور اولیاء الشیاطین کے درمیان فرق کرنے والی کتاب ہے۔

﴿ مَّنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَآ أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً ﴾ (النساء: 80)

''جوشخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے اُن کا نگہبان بنا کرنہیں بھیجا۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيْناً﴾ (الاحزاب: 36)

''اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہ ہو گیا۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: 7)

''سو جو چیز تمہیں پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (آل عمران: 31)

''آپ فرمادیجئے: اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کریں گے، اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی بخشنے والے مہربان ہیں۔'' ❶

---

❶ اس آیت کو آیتِ محنہ، یعنی امتحان والی آیت کہا جاتا ہے۔ جو انسان رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویدار ہو' اس اتباعِ رسول کے امتحان سے گزرنا ہوگا' جو اپنے اس دعویٰ میں سچا ہوگا' وہ زبان کے اقرار کے ساتھ ساتھ عمل میں بھی پابند ہوگا۔

نزولِ قرآن

رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے قرآن ماہِ رمضان المبارک میں نازل ہوا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ (القدر: 1)

''بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا۔'' ❶

اور فرمایا:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ○ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ (الدخان: 3 تا 4)

''بیشک ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم تو ڈرانے والے ہیں۔ اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ: 185)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں۔''

❶ یہ آیات جنہیں شیخ رحمہ اللہ نزولِ قرآن کے بارے میں نقل کیا ہے' اس میں ایک وضاحت ضروری ہے۔ یہ پورا قرآن ایک ہی بار لوحِ محفوظ سے آسمانی دنیا میں ''بیت العزت'' میں نازل ہوا' یہ شبِ قدر والے دن ہوا۔ یہی جمہور مفسرین کی رائے' اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جب کہ وہاں سے زمین پر دھیرے دھیرے تیئس سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔

اہل علم کے ہاں مشہور قول کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ وغیرہم سے منقول ہے۔ عمر کا یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب کمال رشد، کمال عقل اور ادراک اتمام کو پہنچ جاتے ہیں۔

اور جو فرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے قرآن لے کر آپ ﷺ پر نازل ہوا' وہ ملائکہ میں سے ایک مقرب فرشتہ جبریل امین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کی بابت فرمان ہے:

﴿ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ o نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ o عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ o بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴾ (الشعراء: 192 ۔ 195)

''اور بے شک یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس کو روح الامین لے کر اترا ہے۔ آپ کے دل پر؛ تاکہ نصیحت کرتے رہیں۔ یہ فصیح عربی زبان میں ہے۔''

جبریل علیہ السلام دیگر ملائکہ کے مقابلے میں بہت ہی بزرگ وعظیم صفات، قوت، قربت الٰہی، امانت داری' حسن و جمال اور طہارت کی وجہ سے اس بات کے اہل تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر کا کام سرانجام دیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ o ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ﴾ (التکویر: 19 تا 20)

''بیشک یہ (قرآن) ایک ایسے پیغام پہنچانے والے کا قول ہے جو بہت معزز تھے۔ بڑی قوت والا ہے، عرش والے کے ہاں بہت مرتبے والا ہے۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ o ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ o وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ﴾ (النجم: 5 تا 7)

''ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا۔ (یعنی جبرائیل) طاقتور نے پھر وہ پورے

نظر آئے۔اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے۔''

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (النحل: 102)

''کہہ دو کہ اس کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے سچائی کیساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تا کہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور حکم ماننے والوں کیلئے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جبریل امین علیہ السلام کے بہت سارے اوصاف بیان کیے ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن لے کر نازل ہوئے ہیں۔ جو کہ قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اہتمام و انتظام کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ اتنی عظیم ہستی کو صرف عظیم امور کی تبلیغ و رسالت کے لیے ہی انتخاب کرتا ہے۔ یعنی قرآن ایک عظیم کتاب ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان فرشتہ لے کر ایک عظیم الشان رسول پر نازل ہوئے۔

قرآن کی پہلی وحی ❶

قرآن کریم میں جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ یقینی طور پر علی الاطلاق سورت علق کی پہلی پانچ آیات تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہیں:

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ○﴾ (علق: 1 تا 5)

''اپنے رب کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ ❷ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔''

پھر ایک مدت تک وحی رکی رہی۔ اس کے بعد سورت مدثر کی یہ پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴾ (المدثر: 1 تا 5)

''اے کپڑا لپیٹنے والے! اٹھیں، ڈرائیں اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور ناپاکی سے دُور رہو۔''

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتدائے وحی کی بابت روایت ہے؛ فرماتی ہیں:

---

❶ یہ معرفت حاصل کرنا اس لیے بھی ضروری ہے، تاکہ متقدم اور متاخر کی معرفت حاصل ہوجائے۔ اگر دو آیتوں میں تعارض ہو، اور ان میں جمع ممکن نہ ہو، تو متقدم اور متاخر کی معرفت سے ناسخ اور منسوخ کو جان سکیں گے، متقدم منسوخ ہوگا اور متاخر ناسخ۔

❷ علّم کے بعد ''الکتابۃ'' محذوف ہے۔ کہ قلم سے لکھنے کی کیفیت سکھائی۔ قاعدہ: جب معاملہ حذف اور عدم کے درمیان دائر ہو تو اسے عدم حذف پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ یہی اصل ہے۔ حذف ضرورت کے تحت ہوتی ہے۔

''یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس حق آ گیا اور آپ غارِ حرا میں تھے۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا۔ اور کہا: پڑھیے: آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' (یعنی پڑھنا نہیں جانتا) پوری حدیث بیان کی۔ جس میں ہے پھر کہا:
﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ.... إلى قوله ....عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق: 1 تا 5)
''پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا،.....اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔'' ❶

اور صحیحین میں ہی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''بیشک رسول اللہ ﷺ وحی منقطع ہونے والے زمانے کے بارے میں بیان کر رہے تھے' آپ ﷺ نے فرمایا:
''ایک روز میں چلے جا رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ ...... پھر پوری حدیث بیان کی' اس میں ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:
﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَأَنْذِرْ o.... إلى قوله .... وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾
''اے جو کپڑا لپیٹنے والے! اٹھیں اور ڈرائیں...... اور ناپاکی سے دُور رہو۔''

ان آیات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس اعتبار سے کہ کسی معین چیز کے بارے میں یہ پہلی آیات ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی اولیت مقید ہوگی۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے:'' بیشک ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: '' قرآن میں سب سے پہلے کون سی آیات نازل ہوئیں؟۔ تو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ یہ سن کر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے تو یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے: ﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ نازل ہوئی ہے۔

یہ سن کر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں آپ کو صرف وحی کی بات بتا رہا ہوں جو رسول

❶ بخاری حدیث نمبر ٣؛ مسلم حدیث نمبر ١٦٠۔

اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ہے: "میں نے غار حرا میں مجاورت اختیار کی۔ یہ دن مکمل ہوئے تو وحی نازل ہوئی پھر پوری حدیث بیان کی ......اس میں ہے: پھر میں خدیجہ ؓ کے پاس آیا اور میں نے کہا:" مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اور مجھ پر ٹھنڈا بہاؤ۔ اور مجھ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ .... إلى قوله .... وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (المدثر: 1 تا 5)

"اے (محمد ﷺ) جو کپڑے لپیٹے آرام کر رہے ہو......اور ناپاکی سے دُور رہو۔" ❶

یہ اولیت جسے سیدنا جابر ؓ نے روایت کیا ہے، یہ اس اعتبار سے ہے کہ وحی منقطع ہونے کے بعد جو سب سے پہلی نازل ہوئی ہیں۔ یا پھر یہ اس لحاظ سے ہے کہ شانِ رسالت میں جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی۔ کیونکہ جو کچھ سورت علق میں نازل ہوا ہے اس سے رسول اللہ ﷺ کے لیے نبوت ثابت ہوتی ہے، اور سورت مدثر میں نازل ہونے والی آیات سے رسالت ثابت ہوتی ہے' اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ " آپ اٹھیں اور ڈرائیں۔"

سو اسی بنیاد پر اہل علم کہتے ہیں کہ: "بیشک نبی کریم ﷺ کو نبوت "اِقرأ" (میں نازل ہونے والی آیات سے ملی ہے) اور رسالت "المدثر" سے ملی ہے۔

---

❶ بخاری ح ٤٩٢٢ مسلم ح ١٦١/٢٥٧۔

ابتدائی و سببی نزولِ قرآن

نزولِ قرآن مجید کی تقسیم دو طرح کی ہے:

پہلی قسم: ابتدائی:

یہ وہ قسم ہے جس سے پہلے کوئی ایسا سبب نہ پیش آیا ہو جو ان آیات کے نزول کا تقاضا کرے۔ قرآن کریم کی اکثر آیات اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (التوبہ: 75)

''اور ان میں بعض نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔'' ❶

سو یہ آیات ابتداء میں بعض منافقوں کا حال بیان کرنے کے لیے نازل ہوئیں اور یہ بات جو مشہور ہے کہ یہ آیات سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں، یہ ایک لمبا قصہ ہے جو بعض مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور بہت سارے واعظین بھی اس کو بیان کرتے ہیں، یہ قصہ ضعیف ہے، اس کی کوئی اصل اور صحت نہیں ہے۔'' ❷

---

❶ اس آیت میں مذکور نذر مشروط ہے' اسے نذر معلق کہتے ہیں۔ نذر اطاعت کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور معلق۔ یہ آیت نذر مان کر اس کے خلاف کرنے پر تحذیر ہے؛ کیونکہ اس کا عقاب سخت ہے' یہ اللہ سے وعدہ خلافی ہے۔

❷ یہ قصہ امام طبرانی نے معجم الکبیر (۸/۲۶۰-۲۶۱) میں' امام بیہقی نے دلائل نبوت میں (۵/۲۸۹)، شعب الایمان میں ۸/۳۰۵ پر' ابن ابی حاتم نے تفسیر میں ۴/۲۷ پر؛ طبری نے تفسیر میں ۱۰/۱۸۹ پر؛ اور ابن مردویہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ان سب نے علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامۃ کی سند سے نقل کیا ہے۔ ہیثمی مجمع میں ۷/۳۲ پر کہتے ہیں: اس کی سند میں علی بن یزید الہانی متروک الحدیث ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سند بہت ہی ضعیف ہے۔ دیکھیے: تخریج الکشاف ٦١٧.

دوسری قسم: سببی:

وہ آیات ہیں جن کے نازل ہونے سے پہلے کوئی ایسا سبب پیش آیا ہو جس کا تقاضا ہو کہ اس کے بارے میں آیت نازل ہو۔ اور سبب کئی طرح کے ہو سکتے ہیں:

1: یا تو کوئی ایسا سوال ہو جس کا جواب اللہ تعالیٰ دے رہے ہوں، جیسا کہ یہ آیت:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (البقرہ: 189)

"آپ سے نئے چاند کے متعلق دریافت کرتے ہیں فرما دیں: وہ لوگوں کے مواقیت (کاموں کی میعادیں) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔"

2: یا کوئی ایسا حادثہ پیش آیا ہو جو کہ بیان اور تحذیر کا محتاج ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ﴾ (التوبہ: 65)

"اور اگر آپ ان سے دریافت کریں تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔"

یہ دو آیتیں منافقین میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئیں جس نے غزوہ تبوک میں ایک مجلس میں کہا تھا: "ہم نے اپنے ان قاریوں سے زیادہ پیٹ پرست، زبان میں زیادہ جھوٹا اور جنگ کے وقت ان سے بڑھ کر بزدل کسی کو دیکھا ہے۔ اس کی مراد اس سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو قرآن نازل ہوا۔ وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس پیش ہوا، اور اپنا عذر پیش کرنے لگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس عذر کا جواب نازل کیا اور فرمایا:

﴿أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾

"کیا تم اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟"[1]

---

[1] اس حدیث کو امام طبری رحمہ اللہ نے تفسیر میں ۱۰/۱۷۲ پر زید بن اسلم عن ابن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اور اسی صفحہ پر زید بن اسلم اسے مرسل بھی نقل کیا ہے، اور ۱۰/۱۷۳ پر محمد بن کعب وغیرہ سے نقل کیا ہے یہ بھی مرسل ہے۔

3: یا کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کا حکم معلوم کرنا مقصود ہو۔ اس کی مثال یہ آیت ہے:

﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ (المجادله : 1)

''یقیناً اللہ نے اس عورت کی التجا سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کرتی اور اللہ سے شکایت کرتی تھی؛ اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا بے شک اللہ تعالیٰ سنتا دیکھتا ہے۔''

اسبابِ نزول کی معرفت کے فوائد:

اسبابِ نزول کی معرفت حاصل کرنا بہت ہی اہم ہے۔ اس لیے کہ اس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(1) قرآن کا منزل من اللہ ہونا:

قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ یہ اس طرح کہ بسا اوقات جب نبی کریم ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ توقف کرتے، حتی کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی (اور اس سوال کا جواب دیا جاتا)۔ یا یہ کہ آپ ﷺ پر کوئی معاملہ مخفی ہوتا، تو وحی نازل ہوتی جس سے اس کی وضاحت ہو جاتی۔

پہلی مثال: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ أُوْتِيْتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾

''اور آپ سے رُوح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو: وہ میرے رب کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔'' [1]

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''بے شک یہود کے ایک آدمی نے (رسول اللہ ﷺ سے) پوچھا: اے ابوالقاسم!

[1] بخاری (٤٧٢١)، مسلم (٢٧٩٤).

روح کیا ہے؟ آپ ﷺ اس پر خاموش رہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب آپ ﷺ کی طرف وحی آئے گی۔ بس میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جب وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ آیات پڑھیں:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (الاسراء: 85)

''اور آپ سے رُوح کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو: وہ میرے رب کی شان ہے۔''

دوسری مثال: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ (المنافقون: 8)

''کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔''

صحیح بخاری میں ہے: ''بے شک زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سنا کہ منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبَی یہ بات کہہ رہا تھا۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ عزت والا ہے، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی ذلیل ہیں۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی، انہوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کی۔ آپ ﷺ نے زید کو بلایا، زید نے جو کچھ سنا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو بتا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے پاس ایک آدمی بھیجا۔ وہ قسمیں اٹھانے لگے کہ انہوں نے اس قسم کی بات نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی باتوں کا یقین کرلیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنے کے لیے یہ آیات نازل کیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کے لیے معاملہ واضح ہوگیا۔

(2) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کے دفاع کا بیان:

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ

﴿لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ (الفرقان: 32)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن یکبارگی کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح اس لئے اتارا گیا کہ اس سے آپ کے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔''

ایسے ہی آیات افک جن میں نبی کریم ﷺ کی حرمت کا دفاع ہے، اور اس چیز کی طہارت اور پاکیزگی بیان کی گئی ہے جو الزام تراشوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر رکھی تھی۔

(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے غم کے ازالہ اور تنگی کے خاتمہ کا بیان:

اس کی مثال: آیت تیمم ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار کھو گیا۔ آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھیں۔ نبی کریم ﷺ اس ہار کی تلاش میں لگ گئے۔ اور لوگ بھی پیاسے۔ بغیر پانی کے۔ اس ہار کو تلاش کرنے لگ گئے۔ سو اس بات کی شکایت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کی گئی۔ (یہ ایک لمبی حدیث ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کے احکام کی آیات نازل کیں، لوگوں نے تیمم کیا۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اے آل ابو بکر! یہ آپ کے گھرانے کی پہلی برکت نہیں ہے۔'' (یعنی اس سے پہلے اور بھی خیر و برکات اس گھرانے کی وجہ سے عام مسلمانوں کو حاصل ہوئی ہیں)۔ ❶

۴: آیت کی درست مفہوم

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

❶ تفصیل کے لیے دیکھیں: بخاری (٣٣٤) مسلم (٣٦٧). **فائدہ:** ''پہلی برکت نہیں ہے۔'' یہاں پر ایک عقیدہ کا مسئلہ ہے کہ: ''یہ تعبیر اس بات پر دلیل ہے کہ کسی صالح شخص سے یہ کہا جائے کہ یہ آپ کی برکت ہے' اگر وہ شخص خیر کے حصول کا سبب بنا ہو' اور خود زندہ موجود ہو۔ اور اگر وہ مر گیا ہو؛ یا اس کے زمانہ میں یہ خیر نہ ملی ہو' یا وہ اس خیر کا سبب نہ ہو تو اس کے لیے ایسے کہنا جائز نہیں ہے۔

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرہ: 158)

''بیشک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے۔''

یعنی ان کے درمیان سعی کرے، کیونکہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾ ''اُس پر کچھ گناہ نہیں'' سے مراد یہ ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا مباحات کی اقسام میں سے ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت عاصم بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بیشک میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صفا و مروہ کے متعلق پوچھا: تو وہ فرمانے لگے: ہم صفا اور مروہ میں سعی کرنے کو جاہلیت کا کام سمجھتے تھے۔ اسلام آنے کے بعد ہم ان کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ....إلى قوله ... أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾

''بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ....دونوں کا طواف کرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی نفی کرنے سے مراد اصل میں سعی کے حکم کا بیان نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد اس سنت پر قائم رہنے سے حرج کی نفی ہے (لوگ اسلام لانے کے بعد اس میں حرج سمجھتے تھے)۔ کیونکہ وہ اسے جاہلیت کا کام سمجھتے تھے۔ اور سعی کے حکم کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ....﴾

''(صفا اور مروہ) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' ❶

عموم لفظ اور خصوص سبب:

جب آیت کسی خاص سبب کی وجہ سے نازل ہوئی ہو اور اس کا لفظ عام ہو، اس کا حکم اس کے سبب کو اور ہر اس چیز کو شامل ہوتا ہے جو اس لفظ کے معانی اور مفاہیم میں شامل ہو۔

❶ بخاری (٤٤٩٦)، مسلم (١٢٧٨)، لیکن اس میں سیاق مختلف ہے۔

کیونکہ قرآن تمام امت کے لیے عام تشریع کے طور پر نازل ہوا ہے اس وجہ سے اعتبار عموم لفظ کا ہوگا نہ کہ کسی خاص سبب کا؛ اس کی مثال آیاتِ لعان میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ .... إلى قوله تعالى.... إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (النور: 6 تا 9)

''اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں......آگے تک......اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو)۔''

بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''بیشک ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنی عورت پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کا الزام لگایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یا تو اس پر گواہی پیش کرو یا پھر تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی۔'' اس پر سیدنا ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میں سچا ہوں' اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس معاملہ میں ایسی وحی نازل کرے گا جس کی وجہ سے میں حد سے بچ جاؤں۔ تو سیدنا جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ .... إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ﴾

''اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں......اگر وہ سچا ہو۔'' ❶

سو یہ آیات ان کے نازل ہونے کا سبب ہلال بن امیہ کا اپنی بیوی پر الزام لگانا ہے۔ لیکن یہ حکم ان کے لیے اور ان کے علاوہ دیگر سب کو شامل ہے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری میں حضرت سعد بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث ہے کہ: ''بے شک عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے' اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اگر ایک آدمی اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو پائے اور اسے قتل کردے تو آپ اسے قتل کردیں گے؟ یا اس کے ساتھ آپ کا

❶ بخاري (٤٧٤٧).

کیا سلوک ہوگا؟

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن نازل کیا ہے' آپ نے ان کو ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا حکم دیا جس کا نام قرآن میں "ملاعنہ" رکھا گیا' تو انہوں (سیدنا عویمر) نے اپنی بیوی پر لعنت کی۔" ❶

سو رسول اللہ ﷺ نے اس آیت میں موجود حکم کو ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ اور دیگر سب کے لیے شامل رکھا ہے۔"

❶ بخاری (٤٧٤٥) مسلم (١٤٩٢) . **فائدہ:** اگر کوئی انسان ایسا الزام اپنی بیوی پر لگائے' تو اسے اُس شخص کو (اپنی بیوی کے ساتھ پانے پر) قتل کرنے کی اجازت تو نہیں دی جائے گی۔ اگر وہ اہل خیر اور نیک انسان ہے تو اس کی بات مانی جائے گی' اور اسے گواہ پیش کرنے یا لعان کرنے کا کہا جائے گا۔ دونوں کام نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد ہوگی۔ البتہ گواہ پیش کرنے کی صورت میں شرعی شروط پوری ہونے پر ہی حد نافذ ہوگی۔

مکی اور مدنی

نبی کریم ﷺ پر قرآن تیئس سال کے متفرق عرصہ میں نازل ہوا' جس کا اکثر حصہ آپ ﷺ نے مکہ میں گزارا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَقُرْآناً فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلاً ﴾ (الاسراء : 106)

''اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔''

سو اس بنیاد پر علماء کرام رحمہم اللہ نے قرآن کریم کو مکی اور مدنی دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

مکی وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ پر ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے نازل ہوا ہو۔

مدنی وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ پر ہجرت مدینہ منورہ کے بعد نازل ہوا ہو۔

اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مدنی تصور ہوگا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً ﴾ (المائدہ : 4)

''آج کے دن ہم نے آپ کے لیے آپ کا دین مکمل کر دیا، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور آپ کے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''

یہ آیات آپ ﷺ پر حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آپ فرماتے ہیں: ''ہم اس دن اور جگہ کو پہچانتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ آیات آپ ﷺ پر جمعہ کے دن میدان

عرفات میں قیام کے وقت نازل ہوئیں۔'' ❶

مکی اور مدنی کی پہچان:

مکی اور مدنی آیات اپنے اسلوب اور موضوع کی وجہ سے ممتاز اور جداگانہ پہچان رکھتی ہیں۔

(1) اسلوب کے لحاظ سے: ❷

❶ غالب طور پر مکی آیات میں اسلوب قوی اور خطاب میں شدت ہوتی ہے۔ کیونکہ مخاطبین کی اکثریت اعراض کرنے والے اور متکبرین کی ہوتی تھی۔ اور ان کے ساتھ یہی اصول مناسب ہے۔ دیکھیں: سورت مدثر اور سورت قمر۔

اور مدنی سورتیں ان کے اسلوب میں غالباً نرمی اور خطاب میں آسانی/نرمی ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر مخاطب لوگ ماننے والے اور اطاعت گزار ہیں جیسے: سورت مائدہ۔

❷ مکی سورتوں میں غالب طور پر آیات چھوٹی اور قوی حجت والی ہیں۔ کیونکہ مخاطب لوگوں کی اکثریت سرکش اور نافرمان ہیں۔ اس لیے ان کے مناسب حال خطاب سے انہیں مخاطب کیا گیا' جیسا کہ سورت طور میں ہے۔

جب کہ مدنی سورتوں میں لمبی آیات ہیں جن میں بغیر کسی حجت بازی کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، کیونکہ ان کے احوال کا تقاضا یہی تھا۔ جیسے سورۃ البقرہ کی آیت دَین (قرض) وغیرہ۔

موضوع کے لحاظ سے:

مکی سورتوں میں غالب طور پر توحید اور عقیدہ سلیمہ کو بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً ان امور کو جو توحید الوہیت اور ایمان بالبعث سے متعلق ہیں، کیونکہ مخاطب لوگوں کی اکثریت ان امور کی منکر تھی۔

---

❶ بخاري (٤٥) مسلم (٥/ ٣٠١٧).

❷ اس میں بلاغت پائی جاتی ہے کہ مقتضی حال کے مطابق آیات نازل ہوتی ہیں۔

جب کہ مدنی آیات میں عبادات اور معاملات (کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، لین دین) کی تفصیل ہے۔ کیونکہ یہاں پر مخاطب لوگوں کے دلوں میں توحید الوہیت اور عقیدہ سلیمہ راسخ ہو چکا تھا۔ انہیں عبادات اور معاملات کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت تھی۔

③ جہاد اور اس کے احکام کے ذکر میں تطویل۔ منافقین اور ان کے احوال کا ذکر مدنی قسم میں ملتا ہے۔ کیونکہ ان کے احوال کا تقاضا یہی تھا۔ کیونکہ مکی صورت حال کے برعکس اسی موقع پر جہاد مشروع ہوا اور نفاق ظاہر ہوا۔

مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت کے فوائد:

مکی اور مدنی کی معرفت اہم ترین علوم قرآنی میں سے ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سے فوائد پوشیدہ ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① قرآن کی بلاغت کے اعلیٰ مراتب کا اظہار۔ کیونکہ یہ ہر حال میں مخاطب لوگوں کے احوال کے مطابق شدت وسختی اور نرمی وسہولت سے خطاب کرتا ہے۔

② تشریع اسلامی کی حکمت کے انتہائی خوبصورت نتائج کا اظہار۔ اس لیے کہ اہم سے اہم تر کے لحاظ سے مخاطب لوگوں کے احوال اور ان کی قبول ونفاذ کی صلاحیت کے اعتبار سے بتدریج آگے بڑھتی ہے۔ (اگر ساری شریعت یکبارگی نازل ہوتی تو لوگ اس پر عمل کی طاقت نہ رکھتے)۔

③ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کی تربیت، اور ان کی رہنمائی کہ وہ مخاطبین کے ساتھ گفتگو میں قرآنی اسلوب وموضوع کی پیروی کریں۔ اور اہم سے اہم تر سے شروع کریں۔ اور سختی کے موقع پر سختی کا استعمال کیا جائے اور نرمی کے موقع پر نرمی کا استعمال کیا جائے۔

④ ناسخ اور منسوخ میں تمیز اور فرق۔ اگر دو آیتیں مکی اور مدنی (ایک ہی موضوع کے متعلق یا ایک ہی مسئلہ کے بیان میں) ایسی واقع ہو رہی ہوں جن میں نسخ کی شرطیں پوری ہوں تو مدنی آیت مکی آیت کی ناسخ ہوگی۔ کیونکہ مدنی آیت مکی سے متاخر ہے۔

قرآن کریم کے متفرق نازل ہونے کی حکمت

قرآن کریم کی مکی اور مدنی تقسیم سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن نبی کریم ﷺ پر متفرق نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم کے اس طرح نازل ہونے میں بہت ساری حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

① نبی کریم ﷺ کے دل کی ثابت قدمی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلاًo وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيْراً﴾ (الفرقان: 32 تا 33)

''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح (آہستہ آہستہ متفرق) اس لیے اتارا گیا کہ اس سے آپ کے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ تمہارے پاس جو بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اُن کا معقول اور خوب واضح جواب بھیج دیتے ہیں۔''

② لوگوں پر اس کلام کا حفظ کرنا' سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہوجائے۔ کیونکہ یہ قرآن ان پر تھوڑا تھوڑا پڑھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقُرْآناً فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيْلاً﴾ (الاسراء: 106)

''اور ہم نے قرآن کو جزء جزء کر کے نازل کیا تا کہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔''

③ نازل ہونے والے قرآن کو قبول کرنے اور اس کو اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لیے ہمتوں میں نشاط اور چستی پیدا کرنا۔ کیونکہ لوگ بہت شوق و اشتیاق سے نزولِ قرآن کے منتظر رہتے تھے۔ خاص طور پر جب اس کی ضرورت بہت سخت ہو۔ جیسا کہ افک اور لعان کی آیات وغیرہ میں ہے۔

④: تشریع میں تدرج یہاں تک کہ کمال کے مرتبہ کو پہنچ جائے۔ جیسا کہ شراب کے احکام والی آیات میں ہے، لوگ جس پر بڑھے پلے تھے' اور اس سے الفت رکھتے تھے۔ یہ بات بہت مشکل تھی کہ ایک دم ہی انہیں شراب سے بالکل منع کر دیا جائے۔ تو پہلے اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرہ: 219)

''آپ سے شراب اور جوئے ❶ کا حکم پوچھتے ہیں؟ فرمادیں: اُن میں بڑا نقصان ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر اُن کا نقصان فائدہ سے کہیں زیادہ ہیں۔''

اس آیت میں لوگوں کو ذہنی طور پر شراب کی حرمت قبول کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ کیونکہ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایسی چیز کا ارتکاب نہ کیا جائے جس کا گناہ اس کے فائدہ سے بڑھ کر ہو۔ پھر اس کے بعد دوسری بار یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ (النساء: 43)

''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو نماز کے پاس نہ جاؤ۔''

سو یہ آیت بعض اوقات شراب ترک کرنے کی ایک مشق تھی جو نماز کے اوقات تھے۔ پھر اس کے بعد تیسرا حکم نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ قرآن میں جوئے کا نام "مَیْسر" رکھا گیا ہے؛ جس کا معنی ہے ''آسانی'' یعنی اس ایک فریق بہت آسانی سے فریق ثانی پر غالب آ کر بہت جلد نفع حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے قاعدہ یہ ہے کہ: ''ہر وہ معاملہ جس میں انسان یا تو بلا جہد فائدہ حاصل کرنے والا ہو' یا بلا مقصد نقصان اٹھانے والا ہو' تو وہ جوا کہلائے گا' اور وہ حرام ہے۔ کاروباری شراکت داری شرعی اصولوں کے مطابق' اس سے مستثنیٰ ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَo إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللّهِ وَعَنِ الصَّلاَةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَo وَأَطِيْعُوا اللّهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلاَغُ الْمُبِيْنُ﴾ (المائدہ: 90 تا 92)

''اے مؤمنو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے سبھی ناپاک شیطانی اعمال میں سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاجاؤ۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تمہیں (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول (اللہ ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو اور ڈرتے رہو، اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو! ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

ان آیات میں شراب سے مطلق طور پر تمام اوقات میں منع کیا گیا ہے، (یہ اس وقت ممکن ہوا) جب نفوس کو (ذہنی طور پر) تیار کر لیا گیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد اس سے بعض اوقات میں منع کیا گیا تھا۔

ترتیب قرآن:

اس سے مراد اس کی تلاوت میں بعض کو بعض کے ساتھ ایسے ملا کر کے پڑھنا جیسے قرآنی نسخوں میں مکتوب اور (حفاظ کے) سینوں میں محفوظ موجود ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

☆ پہلی قسم: کلمات کی ترتیب:...... اس طرح کہ ہر کلمہ آیت میں اس کی اپنی جگہ پر ہو۔ یہ بات نص اور اجماع سے ثابت ہے۔ اس کے واجب ہونے اور اس کے خلاف کے

حرام ہونے میں ہمیں کسی کے اختلاف کا علم نہیں۔ یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ انسان ﴿الحمدلله رب العالمين﴾ کی جگہ "لله ألحمد رب العالمين" پڑھے۔

☆ دوسری قسم آیات کی ترتیب:...... اس طرح سے کہ سورت میں ہر ایک آیت اپنی جگہ پر ہو۔ یہ بھی نص اور اجماع سے ثابت ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ واجب ہے اور اس کی مخالفت کرنا حرام ہے۔ اور یہ کسی بھی طرح جائز نہیں ہے کہ: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کے بجائے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھا جائے۔

صحیح بخاری میں ہے: ''سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعاً إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ (البقرہ: 240)

''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ اُن کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔''

اسے دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے: (ناسخ آیت یہ ہے):

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً ﴾ (البقرہ: 234)

''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔''

یہ آیت تلاوت میں دوسری آیت سے پہلے ہے۔ (یہ دو آیت 234 ہے، جب کہ دوسری آیت 240 ہے۔ (مترجم)) تو پھر آپ اس آیت کو کیوں لکھتے ہیں؟ تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''اے میرے بھتیجے! میں اس میں سے کسی بھی چیز کو اپنی جگہ سے تبدیل نہیں کر رہا۔'' (یعنی جیسے جس آیت کو رسول اللہ ﷺ نے جس موقع پر رکھا ہے ویسے ہی میں اسے جمع کر رہا ہوں اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہیں کر رہا)۔

امام احمد، ابوداود، نسائی اور ترمذی رحمہم اللہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

''بیشک رسول اللہ ﷺ پر کئی آیات والی سورتیں نازل ہوتیں۔ جب آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ بعض کاتبین وحی کو بلاتے اور فرماتے: ''ان آیات کو اس سورت میں شامل کرو جس میں اس طرح کی آیات ہیں۔'' ❶

(اور آیات پڑھ کر سورت کی نشاندھی کیا کرتے تھے)۔

☆ تیسری قسم: سورتوں کی ترتیب:......اس طرح سے کہ قرآن میں ہر سورت اپنی جگہ پر رہے۔ یہ اجتہاد سے ثابت ہے، واجب نہیں ہے۔ صحیح مسلم سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک انہوں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے پہلے سورت بقرہ پڑھی' پھر نساء اور پھر آل عمران۔'' ❷

امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً احنف سے روایت کی ہے کہ.''بے شک آپ نے پہلی رکعت میں سورت کہف پڑھی اور دوسری رکعت میں سورت یوسف یا یونس پڑھی اور یہ بھی بتایا ہے کہ آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ صبح کی نماز میں یہ دو رکعتیں پڑھیں۔'' ❸

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''ان میں سے بعض سورتوں کو دوسری سے پہلے پڑھنا جائز ہے اور ایسے ہی لکھنے میں بھی تقدیم اور تاخیر جائز ہے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صحیفے کتابت میں مختلف تھے۔ لیکن جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مصحف پر متفق ہوگئے تو یہ خلفاء راشدین کی سنت ہوگئی اور حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ:'' خلفاء راشدین کی بھی سنت ہے جس کا اتباع کرنا واجب ہے۔'' ❹

❶ مسنداحمد (١ /٥٧؛ ٧٢) وأبو داؤد (٧٨٦) والترمذی (٣٠٨٦) و لنسائی فی الکبری (١٠٠٧).

❷ مسلم (٧٧٢). ❸ بخاری (٢/٢٥٥).

❹ ان کا مقصود سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے: "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ." ''تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت واجب ہے' اسے اپنے کچلی کے دانتوں سے پکڑے رہو۔'' دیکھو: ابو داؤد (٤٦٠٧) والترمذی (٢٦٧٦) ابن ماجه (٤٣؛ ٤٤) وغیرهم؛ انظر جامع العلوم و الحکم (ح ٢١)۔

کتابتِ قرآن کریم اور جمع

(5) کتاب اور جمع کے مراحل:

قرآن کریم کی کتابت اور جمع کرنے کے تین مراحل ہیں:

پہلا مرحلہ:...... یہ نبی کریم ﷺ کا زمانہ ہے۔ اس مرحلہ میں کتابت سے زیادہ حفظ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اس کا سبب قوت یاد داشت، سرعتِ حفظ، کاتبین کی قلت اور وسائل کتابت میں کمی تھی۔ اس وجہ سے قرآن کو ایک مصحف میں جمع نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ جو کوئی آیت سن لیتا اسے حفظ کر لیتا۔ یا اسے جو چیز بھی میسر ہو، جیسے کھجور کا پتہ، یا خوشہ، یا چمڑے کا ٹکڑا، یا کوئی چپٹا پتھر یا کندھے کی ہڈی، اس پر لکھ لیتا۔ اس لیے کہ قاری حضرات کی تعداد بہت بڑی تھی۔ صحیح بخاری میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا؛ جنہیں قراء کہا جاتا تھا۔ بئر معونہ کے پاس ان کا دو قبیلوں بنی سلیم رعل، اور ذکوان کے ساتھ آمنا سامنا ہوا، انہوں نے ان (صحابہ کرام) کو قتل کر دیا۔" ❶

(اس سے مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حفاظ اور قراء کی تعداد ظاہر کرنا ہے)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کے علاوہ بھی، بہت سارے حفاظ تھے جیسے خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعود، سالم مولی حذیفہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابودرداء رضی اللہ عنہم۔

دوسرا مرحلہ:...... یہ سن ۱۲ ہجری میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے۔ یہ جنگ یمامہ کے موقع پر بہت سارے قراء صحابہ کرام کی شہادت کے بعد ہوا۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سیدنا سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن سے قرآن پڑھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ حکم دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ ضائع ہونے

❶ صحيح بخاري (٤٠٩٠).

سے بچایا جائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جنگ یمامہ کے بعد قرآن جمع کرنے کا مشورہ دیا تو آپ نے توقف کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بار بار اس کا مطالبہ کرتے رہے حتیکہ اللہ تعالیٰ نے جمع قرآن کے لیے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا۔ سو آپ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف بلاوا بھیجا، وہ حاضر ہوئے، تو سیدنا عمر بھی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: '' آپ ایک عقل مند جوان مرد ہیں۔ ہم آپ پر کسی معاملہ میں کوئی تہمت نہیں لگاتے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی لکھنے کا کام کرتے تھے۔ آپ قرآن کی تلاش کریں اور اسے جمع کریں۔ (سیدنا زید) کہتے ہیں: '' میں قرآن تلاش کرنے لگا، میں اسے پٹھوں، چھلکوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا۔ یہ صحائف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو موت دے دی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہے، پھر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔'' ❶

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے۔ مسلمانوں نے اس معاملہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور اسے آپ کی نیکیوں میں شمار کرتے ہیں حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: '' قرآن کے معاملہ میں سب سے بڑھ کر اجر کمانے والے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' ابو بکر پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا۔'' ❷

تیسرا مرحلہ:...... یہ سن پچیس ہجری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہے اس کا سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں موجود صحائف کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کی قرأت میں اختلاف تھا۔ سو ایک فتنہ برپا ہونے کا ڈر محسوس ہوا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

---

❶ صحيح بخاري (٤٩٨٦).

❷ اسے ابوداؤد نے روایت کیا' مصاحف (ص ۵): اسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں صحیح کہا ہے: (۱۲/۹)۔

نے حکم دیا کہ تمام صحیفوں کو ایک صحیفہ میں جمع کر دیا جائے تا کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہو اور وہ اللہ کی کتاب میں تنازعہ نہ کریں اور افتراق کا شکار نہ ہوں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیہ اور آذر بائیجان کی فتح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے' انہیں قرأت میں اختلاف نے خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ کہنے لگے: ''اے امیر المؤمنین! اس امت کو بچا لیجیے اس سے پہلے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اختلاف کرنے لگیں۔ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ مصاحف کے نسخے بھیج دیں' جنہیں (نسخ) کاپی کرنے کے بعد آپ کو واپس کر دیا جائے گا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تو (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے) زید بن ثابت' عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص، عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا' انہوں نے اس کو نسخوں میں لکھ لیا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور باقی تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قریشی تھے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تینوں قریشیوں کے گروہ کو نصیحت کی تھی کہ اگر تمہارا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے قرآن میں کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کی زبان (لہجہ) میں لکھ لینا' کیونکہ قرآن ان کے لہجہ میں نازل ہوا ہے۔ سو انہوں نے ایسے ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے قرآن کو کئی نسخوں میں لکھ لیا تو سیدنا عثمان نے سیدہ حفصہ والا نسخہ ان کو واپس کر دیا۔ اور ملک کے ہر کونے میں ان میں سے ایک نسخہ بھیج دیا اور اس بات کا حکم دیا کہ اس کے علاوہ قرآن کے جتنے مصاحف اور نسخے ہوں سب جلا دیے جائیں۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد کیا۔ جیسا کہ ابن ابی داؤد نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! انہوں نے جو کچھ بھی قرآن کی بابت کیا' وہ ہماری موجودگی میں کیا۔ میری رائے تھی کہ ہم لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیں تا کہ کوئی تفرقہ اور اختلاف باقی نہ

رہے۔ ہم نے کہا: ''آپ کی رائے بہت ہی خوب تھی۔'' ❶

سیدنا مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے دیکھا کہ لوگ بہت کثرت کے ساتھ موجود تھے جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف جلائے اور ان کو یہ کام بہت ہی اچھا لگا۔'' اور یہ بھی فرمایا: ''ان میں سے کسی ایک نے اس بات پر انکار نہیں کیا (یعنی اسے برا نہیں جانا)۔'' ❷

یہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ان نیکیوں میں سے ہے جن پر تمام مسلمانوں نے موافقت کی ہے، جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ سیدنا امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کام کی تکمیل تھی۔ آپ کے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جمع میں فرق یہ تھا کہ:

'' سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی غرض قرآن جمع کرنے سے یہ تھی کہ قرآن کو ایک جگہ پر محفوظ کر دیا جائے اور اس میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو۔ اس میں لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرنے کی غرض نہیں تھی۔ اس لیے کہ اس وقت تک لوگوں کی قرأت میں اختلاف ظاہر نہیں ہوا تھا کہ جس وجہ سے انہیں ایک ہی مصحف پر جمع کیا جاتا۔

اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن جمع کرنے کی غرض قرآن کو تقیید کے ساتھ مجموعی طور پر ایک ہی مصحف میں کر دیا جانا تھا۔ تا کہ لوگوں کو اس ایک مصحف پر جمع کیا جائے ۔ یہ قرات میں خوفناک اختلاف کے ظہور کی وجہ سے ہوا۔

اس جمع و تدوین کے آثار ظاہر ہوئے اور مسلمانوں کے لیے بہت بڑی مصلحت حاصل ہوگئی جو امت کے اجتماع' ایک بات پر اتفاق اور ان کے درمیان الفت کے حصول کی صورت میں تھی۔ اس سے ایک بہت بڑے فساد کو ٹال دیا گیا' جو تفریق امت' آپس میں اختلاف' اور بغض اور دشمنی کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا۔ جس پر اس دور میں اتفاق ہوا' یہ اتفاق اب تک مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ اور متواتر رہا ہے، جسے ہر چھوٹے اور بڑے نے قبول کیا ہے، جسے فسادیوں کے ہاتھ ابھی نہیں لگے اور نہ ہی خواہشات کے پجاری اسے مٹا سکے ہیں۔

❶ ابو داؤد في المصاحف (ص ٢٢). ❷ ابو داؤد في المصاحف (ص ١٢).

تفسیر

لغوی معنی:

تفسیر لغت میں: "فَسْر" سے ہے، جس کا معنی ہے ڈھکی ہوئی چیز کو کھول دینا۔

اصطلاحی تعریف:

تفسیر اصطلاح میں: ((بيان معاني القرآن الكريم.))

قرآن کریم کے معانی کا بیان ہے۔

تفسیر کی تعلیم حاصل کرنا مسلمانوں پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (ص: 29)

"(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، بابرکت ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔"

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: 24)

"بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔"

پہلی آیت سے استدلال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک قرآن کے نازل کرنے کا مقصد بیان کیا ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور وفکر کریں اور جو کچھ اس میں ہے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ تدبر الفاظ میں غور وفکر کرنے کو کہتے ہیں تاکہ اس کے معانی تک پہنچا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو قرآن نازل کرنے کی حکمت فوت ہو جائے اور یہ محض الفاظ رہ جائیں جن کی کوئی تاثیر نہ ہو اور اس لیے بھی کہ قرآن کریم میں جو کچھ ہے اس سے نصیحت

حاصل کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کے معانی کو سمجھ نہ لیا جائے۔

دوسری آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ڈانٹ پلائی ہے جو قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اور اس کی طرف دلوں پر تالے ہونے اور ان تک خیر کے نہ پہنچنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سلف امت رحمہم اللہ ایک واجب راہ پر چل رہے تھے۔ وہ قرآن کے الفاظ اور معانی سیکھتے تھے۔ کیونکہ وہ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق قرآن پر عمل کرنے میں متمکن ہوجاتے تھے۔ کیونکہ جس چیز کو سمجھا ہی نہ جاسکے اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

ابوعبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ باقی لوگ' بیشک جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات سیکھ لیتے ؛ وہ اس سے آگے تجاوز نہ کرتے یہاں تک کہ اس میں جو کچھ علم اور عمل ہے اسے سیکھ لیتے۔''

فرماتے ہیں:'' ہم نے قرآن،علم اور عمل سب اکٹھا سیکھا ہے۔'' ❶

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:'' عادتاً یہ بات ممتنع ہے کہ لوگ علم کے کسی فن کی کوئی کتاب پڑھیں جیسا کہ طب، حساب اور اس کی شرح نہ کریں۔ سو پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کے ساتھ کیونکر ایسے ممکن ہے جو کہ ان کی عصمت ہے، اس میں ان کی نجات، سعادت اور دین و دنیا کا قیام ہے۔'' ❷

اور اہل علم پر واجب ہے کہ وہ تقریری اور تحریری طور پر اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا

❶ انبلاء (٤/ ٢٧١) معرفة القراء الكبار (١/ ٦٥) ؛ وہ- نام کا ذکر کیے بغیر- امام طبری نے مقدمہ تفسیر میں (١/ ٣٦) میں ذکر کیا ہے۔ یہ اثر ان ہی الفاظ میں مجموع فتاویٰ میں منقول ہے؛ جیسا کہ آگے آئے گا۔

❷ مجموع الفتاوى (١٣/ ٣٣٢) .

تَكْتُمُونَهُ﴾ (آل عمران : 187)

''اور جب اللہ نے اہل کتاب سے اقرار لیا کہ (جو کچھ اس میں لکھا ہے) اُسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا۔''

لوگوں کے لیے کتاب کے بیان کرنے کو اس کے الفاظ اور معانی کا بیان کرنا شامل ہے۔ سو تفسیر قرآن ان امور میں سے ہوگی جن کے بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے عہد لیا ہے۔

تفسیر سیکھنے سے غرض ان قابل صد افتخار مقاصد تک پہنچنا ہے اور ان جلیل القدر ثمرات و فوائد کو حاصل کرنا ہے۔ درحقیقت یہ آسمانی خبروں کی تصدیق اور ان سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ اس کے احکام کو ایسے ہی نافذ کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تاکہ پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جا سکے۔ ❶ .

---

❶ یہی وہ مبارک غرض ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَ﴾ (الذاریات : 56)

''ہم نے انسانوں اور جنوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے۔''

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر قرآن اصل میں اس کے معانی کا بیان ہے اور تفسیر کا سیکھنا واجب ہے۔ وجب عینی اور واجب کفائی۔ سلف صالحین کی عادت یہ تھی کہ وہ قرآن کی دس آیات سیکھتے' پھر اس کے معانی اور اس پر عمل کرنا بھی سیکھتے تھے۔

مسلمان پر واجب تفسیرِ قرآن

مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ قرآن کریم کی تفسیر کرنے لگے تو اس بات کا بھرپور شعور رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کر رہا ہے۔ کلام اللہ سے جو کچھ اس کا ارادہ ہے اس پر وہ شاہد ہے۔ سو وہ اس گواہی کی تعظیم کرنے والا ہوگا اور اس بات کا خوف رکھتا ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے کوئی بات کہے، اس چیز میں واقع نہ ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہوا اور اس وجہ سے وہ قیامت کے دن ذلیل ورسوا ہو، فرمان الٰہی ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُواْ بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَاناً وَأَن تَقُولُواْ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: 33)

''فرمائیے: میرے رب نے تو بے حیائی کی ظاہری اور پوشیدہ باتیں، گناہ اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی کوئی سند نازل نہیں کی اور یہ کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُواْ عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴾ (الزمر: 60)

''اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے؟''

تفسیر قرآن کریم میں مرجع:

قرآن کریم کی تفسیر میں بذیل امور کی طرف رجوع کیا جائے گا:

اولاً: اللہ تعالیٰ کا کلام:

قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کلام کو نازل کیا ہے اور وہ اس کے معانی کو بہت خوب (اور سب سے زیادہ) جاننے والا ہے۔

اس کی بہت ساری مثالیں ہیں' ان میں سے:

1: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

(یونس: 62)

''سن رکھو! جو اللہ کے دوستوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

سو اس کے بعد آنے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خود اولیاء اللہ کی تفسیر کی ہے، فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ﴾ (یونس: 63)

''(یعنی اولیاء اللہ وہ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔''

2: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ﴾ (الطارق: 2)

''اور تم کو کیا معلوم کہ طارق (رات کو آنے والا) کیا ہے؟''

اس کے ساتھ والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے طارق کی تفسیر بیان کی ہے، فرمایا:

﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ (الطارق: 3)

''وہ تارا ہے چمکنے والا۔''

3: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا﴾ (النازعات: 30)

''اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ والی دو آیات میں (دحاھا) زمین پھیلانے کی تفسیر بیان کی ہے' فرمایا:

﴿أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا☆وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا﴾

(النازعات: 12 تا 13)

''اسی نے اس میں سے پانی نکالا اور چارا اگایا اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔''

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ کی احادیث:

قرآن کریم کی تفسیر احادیث نبویہ سے کی جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب ہم تک پہنچانے والے ہیں۔ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس کی مراد کو سمجھنے والے ہیں۔ اس کی بہت ساری مثالیں ہیں' ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُواْ الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس: 26)

''جن لوگوں نے نیکوکاری کی اُن کیلئے بھلائی ہے اور زیادہ بھی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر اللہ عزوجل کے چہرہ مبارک کے دیدار سے کی ہے۔ امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے صراحت کے ساتھ ابوموسیٰ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بیان کیا ہے۔ ایسے ہی ابن جریر رحمہ اللہ نے صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' وہ نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، جس میں ہے: ''سو وہ حجاب کو کھول دے گا' (اور اہل جنت) کوئی چیز اللہ عزوجل کے چہرہ کے دیدار سے زیادہ پسندیدہ نہیں دیے گئے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُواْ الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس: 26)

''جن لوگوں نے نیکوکاری کی، اُن کے لیے بھلائی ہے اور زیادہ بھی ہے۔'' [1]

[1] مسلم: ۱۸۱۔

۲: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (الانفال: 60)

''اور جہاں تک ہو سکے ان کے لیے قوت تیار رکھو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر تیر اندازی سے کی ہے۔ جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ❶

ثالثاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کلام:

صحابہ کرام میں سے خاص طور پر ان میں سے جو اہل علم اور تفسیر کا اہتمام کرنے والے ہیں۔ کیونکہ قرآن ان کی زبان میں اور ان کے زمانہ میں نازل ہوا، اس لیے بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حق کی تلاش میں سب سے سچے لوگ تھے، خواہشات سے بہت ہی زیادہ محفوظ تھے اور ان مخالفات سے بہت ہی پاک تھے جو کسی انسان کے اور حق بات کی توفیق کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔

اس کی مثالیں بہت ہی زیادہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّن الْغَآئِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاءِ﴾ (النساء: 42)

''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو (ہم بستر ہوئے ہو)۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ چھونے کی تفسیر ''جماع'' سے کرتے تھے۔ ❷

❶ تفصیل کے لیے دیکھیں: مسلم (١٩١٧) و أحمد (١٥٦/٤) و أبو داؤد (٢٥١٤) والترمذي (٣٠٨٣) و ابن ماجه (٢٨١٣).

❷ اسے امام طبری رحمہ اللہ نے روایت کیا' (١٠١/٥) وعبد الرزاق (١٣٤/١) وابن أبي شيبه (١٦٦/١-١٦٧) والبيهقي (١٢٥/١) و (٤٢٤/٧-٤٢٥) وسعيد بن منصور في تفسيره (٦٤٠-٦٤١) وغيرهم.

رابعاً: تابعین کا کلام:

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر سیکھنے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، ان کے بعد خواہشاتِ نفس سے سب سے زیادہ محفوظ لوگ ہیں اور اس وقت تک عربی زبان زیادہ تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد قرآن کے سمجھنے میں حق کے قریب ترین لوگ تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تابعین کا کسی بات پر اجماع ہوجائے تو اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ان میں اختلاف ہوتو ان میں سے کسی ایک کی بات دوسرے پر حجت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کے بعد کے لوگوں پر حجت ہوسکتی ہے۔ اس بارے میں قرآن وسنت کی زبان کی طرف یا عمومِ لغتِ عرب کی طرف رجوع کیا جائے گا یا اس بارے میں اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف۔'' ❶

مزید فرماتے ہیں:

''جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے مذہب یا ان کی تفسیر سے اس طرف ہٹ جائے گا جو اس (راہ و مذہب) کی مخالف ہے، وہ اس میں خطا کار ہوگا، بلکہ وہ بدعتی ہوگا۔ بھلے وہ مجتہد ہو اور اس کی خطائیں بخشی ہوئی ہوں۔''

پھر فرمایا:

''جس نے ان کی بات کی مخالفت کی اور ان کی تفسیر کے خلاف تفسیر کی یقیناً وہ دلیل اور مدلول دونوں میں خطا کا مرتکب ہوا۔'' ❷

خامساً: کلمات کا شرعی یا لغوی معنی کے تقاضا حسبِ سیاق:

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

❶ مجموع الفتاوی (۱۳/ ۳۷۰).
❷ مجموع الفتاوی (۱۳/ ۳۶۱).

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴾ (النساء: 105)

''(اے پیغمبر!) بے شک ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ (الزخرف: 3)

''بے شک ہم نے اس کو قرآنِ عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

مزید فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾

(ابراهيم: 4)

''اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی زبان میں تاکہ انہیں (احکامِ الٰہی) کھول کھول کر بتا دے۔''

جب لغوی اور شرعی معنی میں اختلاف ہو جائے تو وہ معنی لیا جائے گا جس کا تقاضا شرعی ہو۔ کیونکہ قرآن شرع بیان کرنے کے لیے نازل ہوا ہے نہ کہ لغت کے بیان کے لیے، اِلا یہ کہ کوئی ایسی راجح دلیل موجود ہو جس کی وجہ سے لغوی معنی لیا جانا قوی ہو تو اسے لیا جائے گا۔

شرعی اور لغوی معانی میں اختلاف کی صورت میں شرعی معنی کو مقدم رکھنے کی مثال منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا ﴾ (التوبہ: 84)

''اور ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس پر نماز (جنازہ) نہ پڑھنا۔''

سو ''صلاۃ'' کا معنی عربی لغت میں دعا ہے' لیکن شرع میں (یہاں) مرادِ میت پر مخصوص قسم کی دعا کے لیے کھڑا ہونا ہے۔ پس شرعی معنی کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ متکلم کے لیے مقصود مخاطب کے لیے معہود (ذہن میں) ہے۔ اور ان (منافقین) کے لیے دعا سے مطلق طور پر منع

کرنا دوسری دلیل سے ثابت ہے۔

اور اس کی مثال جس میں دو معنوں میں اختلاف واقع ہو اور لغوی معنی کا کو مقدم رکھا جائے' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ (التوبہ: 103)

''اُن کے مال میں سے زکوٰۃ لیں؛ اس سے تم اُن کو ظاہراً پاک اور ان کا تزکیہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو۔''

یہاں پر ''الصلاۃ'' سے مراد دعاء ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''جب آپ ﷺ کے پاس کسی قوم کی زکوٰۃ لائی جاتی تو آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے تو ابن ابی اوفی آپ ﷺ کے پاس صدقہ لے کر حاضر ہوئے' تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللهم صلِّ على آلِ أبي أوفى".

''اے اللہ! آلِ ابی اوفی پر رحمت نازل فرما۔'' ❶

البتہ ایسی مثالیں جن میں شرعی اور لغوی معنی اکٹھے ہوں تو وہ بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ "سماء' أرض' الصدق' الكذب' والحجر' و الإنسان وغیرہ۔

❶ صحیح مسلم: ۱۰۷۸.

تفسیر ماثور میں اختلاف

تفسیر ماثور میں واقع ہونے والے اختلاف کی تین اقسام ہیں:

اوّل:......لفظ میں اختلاف (معنی کے بغیر): اس کی آیت کے معنی میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ ﴾ (الاسراء: 23)

''اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "قـضـى" کا معنی ہے: ''امر'' یعنی حکم دیا۔ اور امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کا معنی ہے: "وصـى" اس کی وصیت کی ہے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں: ''اس کا معنی ہے: "أوجـب" اس نے واجب کیا ہے۔ یہ مختلف تفاسیر یا تو ان کا معنی ایک ہی ہے، یا قریب المعنی ہوتی ہیں۔ اس اختلاف کی آیت کے معنی میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔

دوم:...... لفظ اور معنی میں اختلاف، ان دونوں میں تضاد نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ تو آیت کو ان دونوں پر محمول کیا جائے گا ان دونوں (معانی) سے اس کی تفسیر کی جائے گی اور ان دونوں کے درمیان جمع اس طرح ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک قول اس تمثیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جس کا تعین آیت یا اس تنوع سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيَ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَo وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ

أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَّلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ (الاعراف: 175 تا 176)

''اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں؛ تو اُس نے اُن کو چھوڑ دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کی اتباع کی؛ تو اُس کی مثال کتے کی سی ہے اگر سختی کرو تو زبان نکالے ہانپتا اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے ہانپتا ہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تا کہ وہ فکر کریں۔''

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''یہ بنی اسرائیل کا ایک آدمی تھا۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''وہ اہل یمن کا ایک آدمی تھا۔''

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''وہ اہل بلقاء کا ایک آدمی تھا۔''

ان اقوال میں جمع ایسے ممکن ہے کہ اس آیت کو ان تمام پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ یہ آیت بغیر تضاد کے ان سب معانی کا احتمال رکھتی ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک قول جو ذکر کیا گیا ہے وہ بطورِ مثال ہوگا۔

اس کی دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَكَأْساً دِهَاقاً﴾ (النباء: 34)

''اور چھلکتے ہوئے جام ہوں گے۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "دھاقا" کا معنی ہے بھرا ہوا۔

مجاہد فرماتے ہیں: ''اس سے مراد ہے متابعت (یعنی ایک کے بعد دوسرا گلاس)۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد ہے: صاف۔''

ان اقوال میں آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ کیونکہ آیت ان سب کا احتمال رکھتی ہے۔

تو اس کو ان سب معانی پر محمول کیا جائے گا تو ان میں سے ہر ایک قول کے لیے معنی کی ایک قسم ہوگی۔

سوم: ......لفظ اور معنی میں اختلاف: جب آیت ان دونوں معانی میں تضاد کی وجہ سے دونوں کا احتمال نہ رکھتی ہو؛ تو اس صورت میں سیاق آیت سے استدلال کرتے ہوئے اسے راجح معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾

(النحل: 115)

''اُس نے تم پر مردار اور لہو اور سؤر کا گوشت حرام کر دیا اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے؛ ہاں اگر کوئی مجبور ہو جائے تو بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''غیــر بــاغ'' مردار سے متعلق ہے؛ اور ''و لا عــاد'' اس کے کھانے سے متعلق ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ: ''نہ ہی امام پر خروج کرنے والا ہو؛ اور نہ ہی سفر میں گناہ کرنے والا۔''

ان میں سے راجح پہلا قول ہے۔ کیونکہ آیت میں دوسرے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے اور مذکورہ اشیاء میں سے جو حلال کیا گیا ہے، وہ ضرورت کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ جو امام پر خروج اور حرام سفر کی حالت میں یہ چیزیں واقع ہونے والی ہیں۔

اس کی دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (البقرہ: 237)

''اور اگر تم عورتوں کو اُن کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو اور مہر مقرر

کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔ ہاں اگر عورتیں بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقدِ نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دے (اور پورا مہر دے دیں تو اُن کو اختیار ہے)۔''

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جن کے ہاتھ میں عقدِ نکاح ہے' سے مراد شوہر۔''

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اس سے مراد ولی ہے۔'' ❶

اس میں راجح پہلا قول ہے' کیونکہ آیت کے معانی اسی پر دلالت کرتے ہیں اور اس لیے بھی کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث بھی منقول ہے۔

---

❶ اخرجه ابن أبي حاتم في تفسيره (١/١٧٤/أ) و الدار قطني (٣/٢٧٩) والطبراني في الأوسط (٦٣٥٩) والبيهقي (٧/٢٥١) و غيرهم ـ كلهم عن طريق ابن لهيعة ' عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ـ و أخرجه الطبري (٢/٢٤٨)ـ عن ابن لهيعة ' عن عمرو بن شعيب مرفوعاً؛ قال البيهقي: هذا غير محفوظ ـ وابن لهيعة غير محتج به".

قرآن کریم کا ترجمہ

ترجمہ کا لغوی معنی:

لغت میں اس کا اطلاق کئی معنوں پر ہوتا ہے' جن کا مرجع بیان اور وضاحت ہے۔

ترجمہ کا اصطلاحی معنی:

کلام کو کسی دوسری زبان میں تعبیر کرنا۔

ترجمہ قرآن: قرآن کے معانی کو کسی دوسری زبان میں تعبیر کرنا ہے۔

ترجمہ کی دو قسمیں:

پہلی قسم...... حرفی ترجمہ: وہ اس طرح کے ہر کلمہ کے معانی اس کے برابر واضح کیے جائیں۔

دوسری قسم...... : معنوی یا تفسیری ترجمہ: مفردات اور ترتیب کی رعایت کا خیال کیے بغیر ہی کلام کے معانی کو دوسری زبان میں تعبیر کیا جائے۔ ان کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (الزخرف: 3)

''بے شک ہم نے اس کو قرآنِ عربی بنایا ہے تا کہ تم سمجھو۔''

حرفی ترجمہ: بیشک ہم نے بنایا ہے اس کو قرآن عربی تا کہ تم عقل حاصل کرو۔

یعنی پہلے "انا" کا ترجمہ پھر "جعلناہ" کا، پھر "قرآنا" کا' پھر "عربیا" کا' پھر "لعلکم" پھر "تعقلون" کا ترجمہ کیا جائے۔

اور معنوی ترجمہ: ہر کلمہ کے معنی اور ترتیب سے قطع نظر' پوری آیت کے معانی کا ترجمہ کیا جائے' یہ اجمالی تفسیر کے معنی کے قریب تر ہے۔

ترجمہ کرنے کا حکم:

بہت سے اہل علم کے نزدیک قرآن مجید کا حرفی ترجمہ کرنا محال ہے کیونکہ اس قسم کے

ترجمہ کے لیے کئی شرطیں ہیں جن کا پورا ہونا مشکل ہے۔ان شروط میں سے چند یہ ہیں:

① جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے' اس میں ترجمہ کی جانے والی زبان کے مفردات کے برابر مفردات بھی پائے جائیں۔

② جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس میں معانی کے لیے مناسب ادوات (ڈھنگ اسلوب) بھی پائے جائیں جو ترجمہ کی جانے والی زبان میں پائے جاتے ہیں۔'' ❶

③ دونوں زبانوں مترجم منہا اور مترجم الیہا کلمات ترتیب اور ترکیب میں جملوں، اضافت اور صفات میں متماثل ہوں۔

بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ: '' حرفی ترجمہ بعض آیات میں یا اس طرح (کی عبارات میں) ممکن ہے۔لیکن اگر چہ اس طرح کے مواقع پر اس کا تحقق ممکن بھی ہو،لیکن یہ حرام ہے۔کیونکہ اس میں معانی کو پورے کمال کے ساتھ ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ❷ اور نہ ہی واضح عربی قرآن کی طرح اس کی نفوس میں کوئی تاثیر ہوتی ہے۔(جبکہ قرآن دلوں کو وعظ کرنے کے لیے نازل ہوا ہے)۔اور معنوی ترجمہ اس سے مستغنی کر دیتا ہے' اس لیے اس کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔اس بنا پر اگر چہ حرفی ترجمہ بعض کلمات میں حساً ممکن بھی ہو ،لیکن یہ شرعاً ممنوع ہے۔الا یہ کہ کسی خاص کلمے کا اس زبان میں ترجمہ کر دیا جائے' تا کہ اس کا سمجھنا آسان ہو جائے ،لیکن پوری ترکیب کا ترجمہ نہ کیا جائے' تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جب کہ قرآن کا معنوی ترجمہ اصل میں جائز ہے۔کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔کبھی یہ واجب بھی ہو جاتا ہے' جب یہ قرآن اور اسلام کو غیر عربی زبان بولنے والوں تک پہنچانے کے لیے وسیلہ بن جائے۔کیونکہ ان تک اسلام کا پیغام پہچانا واجب ہے۔اور جس چیز کے بغیر واجب مکمل نہ ہو' اس کا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

❶ یہاں پر ادوات سے مراد وہ الفاظ سے ہیں جو مختلف معانی کے لیے خاص ہیں' جیسے: ادوات استفہام (یعنی سوالیہ الفاظ)؛ ادوات تاکید- اِن واَنّ وغیرہ۔

❷ اور یہی قول صحیح ہے۔

ترجمہ کی شرطیں:

اس کے ترجمہ کے جواز کے لیے کچھ شرائط ہیں' ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

① اسے قرآن کا بدل نہ بنا لیا جائے کہ اس سے مستغنی ہو جائیں۔ اس بنا پر یہ واجب ہوجاتا ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں لکھا جائے اور اس کے ساتھ اس کا ترجمہ لکھا جائے، جو کہ (عربی) تفسیر کی طرح ہو جائے گا۔

② ترجمہ کرنے والا دونوں زبانوں میں الفاظ کے مدلولات اور سیاق کے تقاضوں کا جاننے والا ہو۔

③ قرآن میں وارد ہونے والے الفاظ کے شرعی معانی کا بھی جاننے والا ہو۔ (جیسے کہ: صلاۃ، زکوٰۃ صیام، نمیمہ، غیبۃ)۔

ترجمہ قرآن ہرگز نہ قبول کیا جائے، سوائے ان لوگوں کے ترجمہ کے جو مامون اور ثقہ ہیں اور جن کی دین پر استقامت معروف ہو۔

مشہور مفسر صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو تفسیر میں شہرت حاصل تھی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان میں خلفاء اربعہ سیدنا ابوبکر، حضرت عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کو بھی ذکر کیا ہے۔ صرف یہ کہ امورِ خلافت میں مشغول ہونے کی وجہ سے پہلے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تفسیر کی روایت کم منقول ہیں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک علماء کی کثرت کی وجہ سے روایت نقل کرنے کی حاجت بہت کم تھی۔

لیکن تفسیر میں مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے ساتھ یہاں پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کچھ بیان کیا جائے گا۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: ❶

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر گوشہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت میں سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ آپ اسی نام سے مشہور ہوئے، جبکہ آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔

آپ کی ولادت بعثت سے دس برس پہلے ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر تربیت پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام تر غزوات میں شریک رہے اور اکثر غزوات میں علم بردار آپ ہی ہوتے، سوائے غزوہ تبوک کے کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہے۔ اس غزوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے اہل خانہ میں پیچھے چھوڑا تھا۔ اور آپ سے کہا تھا:

---

❶ آپ کے مفصل حالات جاننے کے لیے تہذیب الکمال (۲۰/۴۷۲) النبلاء ص ۲۲۵ قسم الخلفاء۔

''کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تم میرے ساتھ ایسے رہو جیسے سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' [1]

آپ کے اتنے فضائل اور مناقب روایت کیے گئے ہیں کہ اتنے کسی اور کے نہیں روایت کیے گئے۔ آپ کے بارے میں دو گروہ ہلاک ہوئے:

1. نواصب: وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ سے دشمنی مول لی اور آپ کے مناقب چھپانے کی کوشش کرتے رہے۔
2. روافض: جنہوں نے اپنے زعم (گمان) کے مطابق آپ کی محبت میں غلو کیا اور اپنی طرف سے ان کے لیے ایسے مناصب و مناقب تراش لیے جن سے آپ بری اور مستغنی ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ مناقب نہیں بلکہ مثالب (برائی) ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی بہادری، ذہانت، اور علم بہت مشہور تھا۔ یہاں تک امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایسی مشکل سے پناہ مانگا کرتے تھے جس کے لیے ابوالحسن نہ ہو۔ نحوی مثال بیان کیا کرتے تھے: "قضية و لا ابا حسن لها" مسئلہ تو ہے مگر اس کے (حل کے) لیے کوئی ابوالحسن نہیں ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی فرمایا کرتے تھے:

''مجھ سے سوال کرو، مجھ سے سوال کرو، اور مجھ سے سوال کرو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے متعلق۔ سو اللہ کی قسم! کوئی آیت نہیں مگر میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ یہ دن میں نازل ہوئی یا رات میں۔''

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جب ہمیں کوئی ثقہ آدمی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی بات پہنچاتا، تو ہم اس سے ہرگز اِدھر اُدھر نہ ہٹتے۔''

اور آپ سے ہی روایت ہے، فرماتے ہیں: ''میں نے جو بھی قرآن کی تفسیر سیکھی ہے وہ

[1] متفق علیه بخاری(٣٧٠٦) مسلم (٢٤٠٤).

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سیکھی ہے۔"

آپ ان اہل شوریٰ میں سے تھے جنہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے چنا تھا۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ پر خلافت پیش کی، انہوں نے کچھ شروط کے بغیر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے بعض شرائط نہیں مانی۔

پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اور لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے آپ کی بیعت کی گئی، یہاں تک کہ ۱۷ رمضان المبارک سن ۴۰ ہجری میں کوفہ میں آپ کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام عبداللہ بن مسعود بن غافل الہذلی رضی اللہ عنہ ہے۔ ❶ آپ کی ماں ام عبد ہے، کبھی آپ کو ان کی طرف بھی منسوب کیا جاتا تھا، آپ سابقین اولین میں سے تھے، دو ہجرتیں کیں، بدر اور اس کے بعد کے تمام معرکوں میں شریک ہوئے، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کی ۷۰ سے کچھ زائد سورتیں سیکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے پہلے دور میں آپ سے کہا تھا: "بے شک تم ایک سکھائے ہوئے نوجوان ہو"❷ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> " جو انسان چاہتا ہو کہ وہ قرآن کو ایسے پڑھے جیسے وہ نازل ہوا ہے، تو اسے چاہیے کہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کی قرأت پر پڑھے۔"❸

صحیح بخاری میں ہے: " بے شک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے جان لیا تھا کہ میں ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جاننے والا ہوں۔" اور فرمایا: " اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں ہے! قرآن میں کوئی

---

❶ آپ کے مفصل حالات جاننے کے لیے تہذیب الکمال [illegible]

❷ اس کی سند جید ہے۔ مسند احمد (۱/ ۳۷۹)

❸ صحیح۔ احمد (۱/ ٤٤٥) اس کی سند حسن ہے۔ حاکم (۳/ ۳۱۷) [illegible]

سورت نازل نہیں ہوئی، مگر میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی، نہ ہی کوئی آیت نازل ہوئی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ یہ کس مسئلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اگر میں جانتا ہوتا کہ کوئی مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا ہے اور میں وہاں تک اونٹ پہنچ سکتا ہو تو میں ضرور اس کی طرف سوار ہو کر جاتا۔'' ❶

آپ رسول اللہ ﷺ کے خدام میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا لوٹا، مسواک اور تکیہ آپ کے پاس ہی رہتے تھے، حتیٰ کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اور میرا بھائی یمن سے آئے، ہم نے ایک عرصہ تک قیام کیا۔ ہم تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ کے اور آپ کی والدہ کے کثرت سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے گھر کا آدمی سمجھتے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے طریق کار سے بہت متاثر تھے۔ یہاں تک کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں کسی ایک کو نہیں جانتا جو آپ ﷺ کے طریق کار، سنت اور رہنمائی میں آپ ﷺ کے قریب تر ہو، سوائے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ میں بھیجا، تاکہ وہاں کے رہنے والوں کو امورِ دین کی تعلیم دیں۔ آپ کے ساتھ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا اور ساتھ ہی یہ فرمایا:

''یہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے صاحب شرف اور بزرگ لوگ ہیں، ان کی پیروی کرو۔'' پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ پھر آپ کو معزول کر دیا اور واپس مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ وہیں پر ۳۲ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا اور بقیع میں دفن ہوئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔

❶ صحيح البخاري (٥٠٠٠).

پھر نبی کریم ﷺ کا چچازاد ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی۔" ❶

آپ کی خالہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنے سینے کے ساتھ لگایا اور دعاء کی:

"یا اللہ! اسے علم اور حکمت سکھادے۔" ❷

ایک روایت میں ہے:

"اے اللہ اسے کتاب (قرآن) کا علم عنایت فرما۔" ❸

انہوں نے جب آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ .)) ❹

"اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔"

اس مبارک دعا کی وجہ سے آپ اس امت میں فقہ اور تفسیر نشر کرنے میں ممتاز عالم دین (حبر امت) تھے۔ وہ اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کی حرص بھی عطا کی تھی' اس کے ساتھ علم کے حصول میں سنجیدگی اور اس کی تعلیم و تعلّم میں صبر آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ جس وجہ سے آپ نے بہت ہی نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کو اپنی مجالس میں بلایا کرتے تھے اور آپ کی رائے کو قبول کرتے تھے۔

مہاجرین کہنے لگے: "آپ ہمارے بیٹوں کو ایسے کیوں نہیں بلاتے جیسے سیدنا ابن عباس کو بلاتے ہیں؟ آپ نے ان سے کہا: "یہ ایک تجربہ کار نوجوان ہیں' حاضر جواب اور عقل مند دل والے ہیں۔"

❶ آپ کے مفصل حالات جاننے کے لیے تہذیب الکمال (١٥٤/١٥) النبلاء ص ٣٣١/٣.

❷ صحیح البخاری (٣٧٥٦)

❸ مرجعه حديث سابق۔

❹ صحیح البخاری ١٤٣؛ صحیح مسلم ٢٤٧٧۔

عمر نے ایک دن آپ کو بلایا' ان کے ساتھ مہاجرین کی مجلس میں گئے تا کہ انہیں دکھائیں جو کچھ وہ ابن عباس کے فضائل جانتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ (النصر)

''جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح حاصل ہوگئی۔'' کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ان میں سے بعض کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کی حمد بیان کریں اور استغفار کریں جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی۔'' اور بعض خاموش رہے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: ''کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟

فرمایا: نہیں۔ پوچھا: پھر تم کیا کہتے ہو؟

فرمایا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی بابت ہے' جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے۔'' جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ پہنچی، اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے، ایسے ہی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی علامت ہے، اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کریں اور استغفار کریں' بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: '' میں ان آیات سے صرف وہی مقصد سمجھتا ہوں جو آپ سمجھتے ہیں۔''

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآن کے بہترین ترجمان سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔''

ایک سائل نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے بارے میں پوچھا' آپ نے فرمایا:

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے سوال کرو، کیونکہ وہ زندہ رہ جانے والوں میں سے قرآن کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔''

عطاء (ابن ابی رباح رحمہ اللہ) فرماتے ہیں:

''میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس سے بڑھ کر کسی مجلس کو فقہ میں مکرم نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کسی کو خشیت (تقویٰ) والا دیکھا ہے۔ آپ کے پاس فقہاء بھی حاضر ہوتے، اہل قرآن اور اہل شعر بھی، ان میں سے ہر ایک ایک

(علم ومعرفت کی) وسیع وادی سے (سیراب ہوکر) واپس لوٹتا ۔''

ابو وائل کہتے ہیں: ''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطبہ دیا اور وہ موسم حج پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی تھے۔آپ نے سورت نور شروع کی، اسے پڑھتے گئے اور اس کی تفسیر کرتے گئے۔میں کہنے لگا: ''نہ میں نے کبھی دیکھا اور نہ اس آدمی کے کلام جیسا کسی سے کچھ سنا۔

اگر اہل فارس و روم اور ترک آپ کی گفتگو سن لیتے تو ایمان لے آتے۔۳۵ ہجری میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو موسم حج میں والی مقرر کیا تھا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے تو آپ حجاز چلے آئے۔پہلے مکہ میں قیام کیا، پھر وہاں سے طائف چلے گئے پھر وہیں پر ۶۸ ہجری میں ۷۱ سال کی عمر میں وفات پائی۔

تابعین میں سے مشہور مفسرین

تابعین کرام رحمہم اللہ میں سے بہت سے لوگ تفسیر میں مشہور ہوئے، ان میں سے :

اہل مکہ : یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ماننے والے (آپ کے شاگرد) تھے۔ جیسا کہ مجاہد، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ۔

اہل مدینہ : یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور ماننے والے تھے۔ جیسا کہ زید بن اسلم، ابی عالیہ، اور محمد بن کعب قرظی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

اہل کوفہ : یہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد(اور ماننے والے) ہیں۔ جیسا جناب قتادہ، علقمہ، اور شعبی رحمہم اللہ۔ ہم یہاں پر ان میں سے دو کے حالات زندگی بیان کرتے ہیں :

جناب مجاہد : ❶

آپ کا نام مجاہد بن جبر مکی ہے۔ سائب بن ابی سائب مخزومی کے غلام تھے۔ سن ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر سیکھی۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں :'' میں فاتحہ سے لے کر آخر تک قرآن تین بار سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر پیش کیا۔ میں ہر آیت کے پاس رکتا اور اس کے متعلق سوال کرتا۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے :'' جب آپ تک جناب مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر پہنچ جائے تو آپ کے لیے کافی ہے۔''

آپ کی تفسیر پر امام شافعی اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اعتماد کیا ہے اور اپنی صحیح میں ان سے بہت زیادہ نقل کیا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کے حالات زندگی کے آخر میں لکھا ہے :

❶ ترجمة تهذيب الكمال ٢٧/٢٢٨؛ النبلاء ٤/٤٤٩۔

"تمام امت کا امام مجاہد رحمہ اللہ کی امامت پر اور ان کی بات کے حجت ہونے پر اتفاق ہے۔ آپ کا سجدہ کی حالت میں ۱۰۴ ہجری میں تراسی (۸۳) سال کی عمر میں مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔

جنابِ قتادہ: ❶

آپ کا نام قتادہ بن دعامہ سدوسی البصری ہے۔ آپ ۶۱ ہجری میں نابینا پیدا ہوئے۔ طلبِ علم میں ان تھک کوششیں کیں۔ آپ کا حافظہ بہت ہی قوی تھا، یہاں تک کہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں: "میں نے کبھی محدث سے یہ نہیں کہا کہ: "اس حدیث کو میری خاطر دہرا دیجیے اور جب بھی میرے کانوں نے کوئی بات سنی، مگر دل نے اس کو یاد کر لیا۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے آپ کا ذکر بہت اچھے الفاظ و انداز میں کیا ہے۔ وہ آپ کا علم، فقہ اور معرفت بالاختلاف اور تفسیر نشر کرنے میں لگ گئے۔ آپ کو حافظ اور فقیہ کے القاب سے موصوف کیا ہے۔ اور فرمایا ہے: "بہت کم لوگوں کو ایسا پاؤ گے جو ان پر سبقت لے جائیں اور آپ کے مثل شاید ہی کوئی پایا جائے۔"

مزید فرمایا: "آپ اہل بصرہ میں سب سے قوی حافظہ والے تھے۔ کوئی بھی چیز نہیں سنتے تھے، مگر اسے حفظ کر لیتے تھے۔

آپ کا انتقال ۱۱۷ ہجری میں ۵۶ سال کی عمر میں واسط میں ہوا۔

---

❶ ترجمته ومصادرها تهذيب الكمال ٢٣/٤٩٨؛ والنبلاء ٥/٢٦٩۔

محکم اور متشابہ قرآن

قرآن کریم احکام اور تشابہ کے لحاظ سے تین قسموں میں تقسیم ہوتا ہے:

پہلی قسم: احکام عام:

جس سے سارے قرآن کو موصوف کیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (هود: 1)

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے یہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ﴾ (یونس: 1)

''الر یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ (الزخرف: 4)

''اور یہ بڑی کتاب میں ہمارے پاس لکھی ہوئی اور بڑی فضیلت وحکمت والی ہے۔''

یہاں پر حکیم بمعنی محکم کے ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے الفاظ اور معانی میں محکم، متقن، عمدہ ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت کی انتہاء پر ہے۔ اس کی تمام خبریں سچی اور نافع ہیں۔ نہ ہی اس میں جھوٹ ہے اور نہ ہی تناقض اور نہ ہی اس میں کوئی لغو بات ہے۔ اس کے تمام احکام عدل وحکمت پر مبنی ہیں۔ نہ ہی اس میں ظلم ہے اور نہ ہی تعارض اور نہ ہی بے وقوفانہ حکم۔

دوسری قسم: تشابہ عام: ❶

جس سے سارے قرآن کو موصوف کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الزمر: 23)

''اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں؛ ایسی کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہوکر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں۔''

اس تشابہ کا معنی یہ ہے کہ بیشک قرآن سارے کا سارا کمال، عمدگی اور اپنی بزرگ اور اعلیٰ غایات کے لحاظ سے آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿أَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلاَفاً كَثِيراً﴾ (النساء: 82)

''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔'' ❷

تیسری قسم:

بعض خاص احکام اور بعض خاص متشابہ (جنہیں صرف وہی لوگ سمجھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پختہ علم عطا کیا ہو): جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ

❶ یہ کہ قرآن اپنے کمال، عمدگی، احکام، اخبار اور اتقان کے لحاظ سے آپس میں متشابہ ہے۔

❷ (شیخ رحمہ اللہ نے آیت کو "وَلَوْ كَانَ" کے بعد سے لکھا تھا میں نے ضرورت فہم کے لیے مکمل آیت لکھ دی ہے۔ (مترجم)

الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلاَّ اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِيْ الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ﴾ (آل عمران : 7)

''وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔'' ❶

محکم ہونے کا معنی یہ ہے کہ آیت کے معانی بالکل واضح اور کھلے ہوئے ہوں، اس میں کوئی اخفاء نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ (الحجرات : 13)

''اے لوگو! بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہیں قبائل اور خاندان اس لئے بنایا ہے تاکہ تم پہچان حاصل کرسکو۔''

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُواْ رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ : 21)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا

❶ اگر کہا جائے کہ: تشابہ الخاص میں کیا حکمت ہے؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امتحان اور ابتلاء؛ تاکہ یہ جان لیا جائے کہ کس کے دل میں کجی ہے اور کس کے دل میں کجی نہیں۔

کیا تا کہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَ أَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ﴾ (البقرہ: 27)

"اور اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے۔"

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (المائدہ: 3)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سؤر کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔"

اور متشابہ کا معنی یہ ہے کہ آیت کا معنی مشتبہ اور خفی ہو، اس طرح سے کہ اس سے وہم کرنے والے کو ایسا وہم ہو جو اللہ تعالیٰ، یا اس کی کتاب یا اس کے رسول کے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ جبکہ اس سے پختہ علم والا عالم اس سمجھ کے خلاف سمجھتا ہے۔

اس کی مثال جو اللہ تعالیٰ سے متعلق وہم کرنے والے کو وہم ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدہ: 64)

"بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ جو مخلوق کے ہاتھوں کے مماثل ہیں۔ نعوذ باللہ۔ ❶

کتاب اللہ سے متعلق تناقض اور باہم تکذیب کے وہم کی مثال: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن

❶ اس وہم کو اس طرح ختم کر سکتے ہیں کہ: "بیشک قرآن نے ہمیں مخاطب کیا ہے۔ ہماری سمجھ اور علم کے مطابق ہوتا ہے۔ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح انسان کے دو ہاتھ ہیں خالق کے بھی بالکل ایسے ہی دو ہاتھ ہوں گے۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی صفت ثابت ہے' مگر جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کوئی مثال یا کیفیت بیان نہیں کر سکتے؛ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی صفات کے لیے بھی کوئی مثال یا کیفیت کی نہیں کر سکتے؛ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی ان مثالوں اور کیفیات اور مشابہت سے بری ہے۔

نَّفْسِكَ﴾ (المائدہ : 79)

(اے ابن آدم!) تمہیں جو فائدہ پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیرے ہی (اعمال کی) وجہ سے ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے:

﴿وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُواْ هَـٰذِهِ مِنْ عِندِ اللّٰهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُواْ هَـٰذِهِ مِنْ عِندِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ فَمَا لِهَٰؤُلاءِ الْقَوْمِ لاَ يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثاً﴾ (النساء: 78)

"اور اُنہیں اگر کوئی فائدہ پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ محمد ﷺ کی وجہ سے ہے، فرمادیں: سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟"

اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق بدگمان بدگمانی پیدا کرنے کی مثال یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَؤُونَ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءكَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ (یونس: 94)

"اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں اُن سے پوچھ لو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔"

اس سے کوئی یہ مراد لے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی کے متعلق شک میں تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

راسخ علماء اور فتنہ گروں کا متشابہ آیات میں موقف

اللہ تعالیٰ نے خود ہی متاشبہ آیات کے متعلق علماء راسخین کا موقف اور زائغین کا موقف اپنی مقدس کتاب میں بیان کیا ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيْلِهِ﴾ (آل عمران : 7)

''تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تا کہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں۔''

جب علم میں پختہ لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالرَّاسِخُوْنَ فِيْ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران : 7)

''اور جو لوگ علم میں پختگی رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔''

سو کجی رکھنے والے ان متشابہ آیات کو کتاب اللہ میں طعن اور لوگوں میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس کی وہ تاویل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے۔ سو وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

جب کہ پختہ علم والے وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس میں نہ ہی اختلاف ہے اور نہ ہی تناقض۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾

(النساء: 82)

"اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔"

اس میں سے متشابہ کو محکم پر لوٹاتے ہیں تاکہ سارے کا سارا محکم ہو جائے۔ ❶

﴿…… پہلی مثال کے متعلق کہتے ہیں: بیشک اللہ تعالیٰ کے دو حقیقی ہاتھ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے جلال وعظمت کے لائق ہیں؛ وہ مخلوق کے ہاتھوں سے مشابہ نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، مگر مخلوق میں سے کسی ذات سے مماثلت نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ: 11)

"اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔"

﴿…… دوسری مثال کے متعلق کہتے ہیں: بیشک نیکی اور برائی دونوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں۔ لیکن نیکی کا سبب اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل و کرم ہے اور برائی کا سبب انسان کا فعل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴾ (الشوریٰ: 30)

❶ یہاں پر ایک اہم مسئلہ کا بیان ضروری ہے، وہ یہ کہ متشابہ آیات میں اکثر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں تین قسموں میں بٹ گئے، ان کی تفصیل یہ ہے:

ممثلہ: ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں اس لب ولہجہ میں مخاطب کیا ہے جو ہم سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ جس چیز کو ہم جانتے ہیں، وہ مخلوقات کی صفات ہیں، تو اللہ کی صفات بھی اس کے مماثل ہیں۔

مؤولہ کہتے ہیں بے شک ظاہر آیت ایک مثال بیان کی گئی ہے تو ہم اسے اس کے ظاہری معنی میں تاویل کر کے دوسرے معنی میں بدل دیں گے، سو ہاتھ سے مراد اس کی قدرت اور نعمت ہو گی۔

اہل سنت: کہتے ہیں کہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے جو چیز بیان کی ہے وہ اپنی حقیقت پر ہے، مگر اس کی کوئی مثال نہیں بیان کیا جا سکتی؛ اور نہ ہی کیفیت بیان ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ثابت ہیں، مگر وہ ہر لحاظ سے ذات باری کی طرح جداگانہ اور یکتا ہیں۔

''اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے افعال سے ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔''

سو برائی کی نسبت انسان کی طرف کرنا اصل میں اسے اس کے سبب کی طرف نسبت کرنے کی قسم میں سے ہے، نہ کہ اس کے مقدر کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جب کہ نیکی یا برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ان کو ان کے مقدر بنانے والے کی طرف منسوب کرنا ہے۔ اس طرح دونوں آیات میں اختلاف کا وہم ان کے مقاصد جدا ہونے کی وجہ سے ختم ہوسکتا ہے۔

تیسری مثال کے متعلق کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کو کبھی اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی یں شک نہیں گزرا۔ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حقیقتِ وحی کو جاننے والے اور ان میں سب سے زیادہ پختہ یقین والے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ﴾ (یونس: 104)

''فرما دیجیے! اے لوگو! اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا۔''

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اس (وحی/ نبوت) میں شک کرتے ہو تو (مجھے ذرا بھر بھی شک نہیں' بلکہ) میں اس کا بھر پور یقین رکھتا ہوں۔ اس لیے میں ان کی بندگی نہیں کروں گا جن کی بندگی تم کرتے ہو۔ بلکہ میں ان کا انکار کرتے ہوئے صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ ﴾ (یونس: 94)

''اگر تم کو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے کچھ شک ہو''

کہیں بھی یہ لازم نہیں آتا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اس قسم کا شک کرنا جائز ہے' یا آپ ﷺ نے کبھی ایسا شک کیا ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر کبھی توجہ نہیں دی:

﴿قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾ (الزخرف: 81)

''فرمادیں: اگر اللہ کے اولاد ہوتو میں سب سے پہلے اس کا عبادت گزار ہوں۔''

کیا اس سے کہیں لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا ہونا جائز ہے؟ یا اس کے لیے بیٹا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا ہونا یا کہنا جائز ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَداًo إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْداً ﴾ (مریم: 92 تا 93)

''اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہوکر آئیں گے۔''

ایسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ (یونس: 94)

''آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔''

سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کو کبھی شک گزرا ہو۔ کیونکہ نہی کبھی ایسے شخص کے لیے بھی ہوتی ہے جس سے وہ فعل کبھی صادر نہ ہوا ہو۔ کیا دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (القصص: 87)

''اور وہ تمہیں اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) کے بعد اس لیے کہ وہ تم پر نازل ہو چکی ہیں روک نہ دیں اور اپنے رب کو پکارتے رہو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا۔''

اور یہ بات معلوم ہے کہ بیشک وہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہیں روک سکے تھے اور نبی کریم ﷺ سے کبھی شرک واقع نہیں ہوا۔ جس سے کوئی فعل واقع نہ ہوا ہو اس کی طرف نہی متوجہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات کی سختی سے ممانعت ہے جو دوسروں سے صادر ہوا ہو اور ان کی راہ سے منع کرنا ہے۔ اس سے شبہ زائل ہوتا ہے اور وہ بدگمانی ختم ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے لائق نہیں۔

قرآن میں مشابہت کی اقسام

قرآن میں متشابہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: حقیقی:

جس کا جاننا بشر کے لیے ممکن نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حقائق۔ اگر چہ ہم ان صفات کے معانی جانتے ہیں' مگر (اللہ تعالیٰ کے بارے میں) ہم ان صفات کے حقائق اور کیفیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْماً﴾ (طٰہٰ: 110)

''اور وہ (اپنے) علم سے اللہ (کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لاَّ تُدْرِكُهُ الاَْبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الاَْبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام: 103)

''نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بہت جاننے والا خبردار ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی:

﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ: 5)

''(یعنی اللہ) الرحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔''

یہ استویٰ کیسے ہے؟ فرمایا: ''استواء معلوم ہے، کیفیت غیر معقول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ اس قسم کی آیات کی وضاحت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان تک پہنچنا

(اور جواب کے لیے ان کی کیفیت کا ادراک کرنا) متعذر ہے۔''

دوسری قسم: نسبی:

وہ جو بعض لوگوں کو چھوڑ کر بعض دوسروں پر مشتبہ ہو۔ یہ پختہ علم والوں کو معلوم ہوگا، کم علم والوں کو نہیں۔ اس نوع کی وضاحت اور بیان کے بارے میں پوچھا جاسکتا ہے' کیونکہ اس تک پہنچنا ممکن ہے اور قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جس کا معنی لوگوں کے لیے واضح نہ ہوتا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (آل عمران: 138)

''یہ لوگوں کے لیے بیانِ صریح اور اہلِ تقویٰ کیلئے ہدایت اور نصیحت ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (النحل: 89)

''اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔''

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُo ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾

(القيامة: 18 تا 19)

''جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوراً مُّبِيناً﴾ (النساء: 174)

''اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے اور ہم

نے آپ کی طرف واضح نور بھیج دیا ہے۔"

اس قسم کی مثالیں بہت ہی زیادہ ہیں، ان ہی میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: 11)

"اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔"

یوں اہل تعطیل پر اشتباہ ہوا تو انہوں نے اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی سمجھی اور یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کا ثبوت مماثلت کو مستلزم ہے۔ یوں انہوں نے بہت ساری آیات سے روگردانی کی جو اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کے ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ کہ اصل معانی کے اثبات سے مماثلت لازم نہیں ہوتی۔

(ان ہی متشابہ آیات میں سے) فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً﴾ (النساء: 93)

"اور جو شخص مسلمان کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی اور ایسے کے لیے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اس سے وعیدیہ فرقہ پر یہ اشتباہ ہوا کہ مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ان کا یہی موقف تمام کبیرہ گناہ کرنے والوں کے متعلق رہا ہے اور انہوں نے ان آیات سے اعراض کیا جن میں اس بات کی دلیل ہے کہ شرک سے کم تر تمام گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہیں' (وہ چاہے تو معاف کردے' چاہے سزا دے)۔

(ان ہی متشابہ آیات میں سے) فرمانِ الٰہی ہے:

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (الحج: 70)

"کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اُس کو جانتا ہے یہ

(سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ سب اللہ پر آسان ہے۔''

اس سے جبریہ فرقہ پر اشتباہ ہوا ہے۔انہوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ انسان اپنے عمل پر مجبور ہے اور انہوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ انسان کا اپنا کوئی ارادہ اور قدرت نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے ان آیات سے اعراض کیا کہ انسان کا اپنا ارادہ اور قدرت ہے اور یہ کہ انسان کا فعل دو قسم کا ہے اختیاری اور غیر اختیاری۔

علم میں راسخ لوگ ہی صاحبِ عقل و دانش ہیں' وہ جانتے ہیں کہ کیسے ان آیات کا وہ معنی اخذ کیا جائے جو دوسری آیات سے موافقت رکھتا ہو۔تو اس طرح سارا قرآن محکم رہے' اس میں کوئی اشتباہ نہ ہو۔

قرآن کریم کو محکم اور متشابہ میں تقسیم کرنے کی حکمت

اگر سارے کا سارا قرآن محکم ہوتا تو اس سے امتحان اور اس کی تصدیق، اس کے معانی ظاہر ہونے پر عمل کی حکمت ختم ہو جاتی۔ اس میں تحریف اور متشابہ پر متمسک رہنے اور اس کی تاویل کرنے، فتنہ تلاش کرنے کے لیے کوئی مجال باقی نہ رہتی۔ ایسے ہی اگر سارا قرآن متشابہ ہوتا تو اس سے لوگوں کے بیان اور ہدایت کی حکمت فوت ہو جاتی۔ اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق صحیح عقیدہ کی تعمیر ممکن نہ رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اس میں محکم آیات بھی بنائی ہیں تشابہ کے وقت جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور دوسری متشابہ آیات ہیں جو بندوں کے امتحان کے لیے ہیں تاکہ سچے ایمان والے ان لوگوں سے واضح اور جدا ہو جائیں جن کے دل میں کجی اور ٹیڑھا پن ہے۔ بیشک سچے ایمان والے یہ جانتے ہیں کہ یہ سارا قرآن اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ اس میں کوئی باطل یا تناقض ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾ (حم السجدہ: 42)

"اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔"

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾

(النساء: 82)

"اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔"

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ کو محکم میں تحریف کرنے، خواہشات کی پیروی اور (قرآنی) خبروں میں شک ڈالنے، احکام سے تکبر کے لیے بطور راہ اور وسیلہ کے اختیار کرتے ہیں۔

اسی لیے آپ عقائد و اعمال میں بہت سارے منحرفین کو پائیں گے کہ وہ اپنے انحراف پر ان متشابہ آیات سے حجت پیش کرتے ہیں۔

قرآن میں وہمِ تعارض کے مقامات ❶

تعارض یہ ہے کہ (قرآن کی) دو آیات (ہر لحاظ سے، نہ کہ بعض وجوہات کی بنا پر) آپس میں ایک دوسرے کے اس طرح مقابل ہوں کہ ایک کا مدلول دوسری آیت کے مدلول کے لیے مانع ہو۔ ایک آیت کسی چیز کو ثابت کرتی ہو اور دوسری آیت اس کی نفی کرتی ہو۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ دو آیتوں کے درمیان تعارض ہو اور ان کا مدلول خبری ہو۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ان میں سے ایک خبر جھوٹ ہو اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی خبروں میں محال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء: 87)

''اور اللہ سے بڑھ کر بات کا کون سچا ہے؟''

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النساء: 122)

''اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے؟''

اور نہ ہی یہ بات ممکن ہے کہ دو آیتوں کے درمیان تعارض واقع ہو اور ان کا مدلول حکمی ہو۔ کیونکہ ان میں سے دوسری آیت پہلی کے لیے ناسخ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾

(البقرہ: 106)

''ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اس کو فراموش کرا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔''

❶ یہ باب بہت ہی اہم ہے۔ کیونکہ اس سے انسان اس بات کا عادی ہوجاتا ہے کہ آیات کے درمیان جمع و تطبیق کیسے کرے۔

جب نسخ ثابت ہوگیا تو پہلا حکم قائم نہ رہا؛ اب دوسرے حکم سے کوئی تعارض نہ رہا۔

جب آپ کو دو آیتوں میں تعارض نظر آ رہا ہو تو ان کے درمیان جمع و تطبیق کی کوشش کریں۔ جب آپ کے لیے معاملہ واضح نہ ہو تو واجب ہے کہ اس میں توقف کریں اور معاملہ کسی بڑے عالم کے سپرد کر دیں۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے بہت ساری آیات ذکر کی ہیں جن میں تعارض کا وہم ہوتا ہے۔ پھر ان میں جمع کو بیان کیا ہے۔ اس موضوع میں میں نے جو سب سے جامع کتاب دیکھی ہے وہ شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ کی کتاب: "دفع ايهام الاضطراب عن آي الكتاب" ہے۔ اس کی مثالوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرہ: 2)

''یہ ہدایت ہے متقین کے لیے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾

(البقرہ: 185)

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے۔''

پہلی آیت میں قرآنی ہدایت کو متقین کے لیے خاص ہے اور دوسری آیت میں تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔ ان دونوں کے درمیان جمع و تطبیق ایسے ممکن ہے کہ پہلی آیت میں ہدایت سے مراد توفیق اور انتفاع مراد ہیں، جبکہ دوسری آیت میں بیان اور ارشاد مراد ہیں۔

ان دو آیتوں کی مانند رسول کریم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾

(القصص: 56)

''آپ جسے چاہیں اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الشوریٰ: 52)

''اور بے شک (اے محمد ﷺ!) آپ سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔''

پہلی آیت میں مراد ہدایتِ توفیق ہے اور دوسری آیت میں مراد ہدایتِ بیان و ارشاد ہے اور ان ہی آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لاَ إِلَٰهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُولُواْ الْعِلْمِ ﴾

(آل عمران: 18)

''اللہ تو گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلاَّ اللّٰهُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

(آل عمران: 62)

''اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلَٰهاً آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ (القصص: 88)

''اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود (سمجھ کر) نہ پکارنا اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مِن شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴾ (ھود: 101)

''جب تمہارے رب کا حکم آ پہنچا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور تباہی کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے۔''

بس پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے بھی الوہیت کی نفی ہے جبکہ دوسری دو آیتوں میں غیر اللہ کے لیے الوہیت کا اثبات ہے۔

ان کے مابین جمع کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص الوہیت ہی الوہیت حقہ ہے اور غیر اللہ کے لیے ثابت کردہ الوہیت باطل ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (الحج: 62)

''یہ اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جس چیز کو (کافر) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور اس لئے کہ اللہ رفیع الشان اور سب سے بڑا ہے۔''

اور ان ہی (متشابہ آیات) کی مثالوں میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ﴾ (الاعراف : 28)

''کہہ دو کہ اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾ (الاسراء : 16)

''اور جب ہمارا کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے، پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔''

پہلی آیت میں اس بات کی نفی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاشی کا حکم دیتا ہے، جبکہ دوسری آیت میں ظاہر نظر آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ فسق کے کاموں کا حکم دیتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں جمع ایسے ممکن ہے کہ پہلی آیت میں امر سے مراد امر شرعی ہے۔تو اللہ تعالیٰ شرعاً فاشی کا حکم نہیں دیتے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ (النحل: 90)

''اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا

حکم دیتا ہےاور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔''

اور دوسری آیت میں امر سے مراد کونی امر ہے۔اللہ تعالیٰ کے کونی اوامر اس کی حکمت کے مقتضیٰ کے مطابق صادر ہوتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّمَآ أَمْرُهُ إِذَآ أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (یٰس : 82)

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''

مزید تفصیل جاننے کے لیے شیخ شنقیطی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کریں۔

قسم

لغت میں قسم سے مراد: ق اور سین پر زبر کے ساتھ "قَسَمٌ" اس کا معنی ہے حلف۔ مراد یہ ہے کہ: کسی معظم کا نام لے کر (مخصوص صیغہ کے ساتھ) کسی چیز کی تاکید کرنا۔ اس کے لیے تین حرف ہیں:

واؤ:...... جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ ﴾ (الذاریات : 23)

''تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم! یہ (اسی طرح) قابل یقین ہے۔''

اس کے ساتھ عامل (قسم اٹھانے والے) کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ صرف اسم ظاہر ہی ملا ہوا ہوتا ہے۔

باء:...... جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ (القيامة : 1)

''میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی۔''

اس کے ساتھ عامل (قسم اٹھانے والے) کا ذکر کرنا جائز ہے جیسے اس مثال میں ہے۔ عامل (قسم اٹھانے والے) کو حذف کرنا بھی جائز ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (ص : 82)

''کہنے لگا: مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔''

یہ بھی جائز ہے کہ اس کے ساتھ اسم ظاہر ملا ہوا آئے، جیسے کہ ہم نے اس کی مثال بیان کی اور اس کے ساتھ اسم ضمیر کا آنا بھی جائز ہے، جیسا کہ آپ کہتے ہیں:

"الله ربي وبه أحلف لينصرن المؤمنين۔"

''اللہ میرا رب ہے اور میں اسی کی قسم اٹھاتا ہوں! وہ ضرور مؤمنین کی مدد کرے گا۔''

تاء:..... جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ تَاللّٰهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ﴾ (النحل : 56)

''اللہ کی قسم! جو تم جھوٹ باندھتے ہو اس کی تم سے ضرور پوچھ ہوگی۔''

اس کے ساتھ بھی عامل (قسم اٹھانے والے) کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ سوائے لفظ جلالہ ''اللہ'' (اسم ذات) کے کوئی اور اسم جیسے رب وغیرہ نہیں آ سکتا۔ یہ جائز نہیں کہ کوئی کہے:

"ترب الكعبه لأحجن إن شاء الله ."

''مجھے رب کعبہ کی قسم ہے! میں ان شاء اللہ ضرور حج کروں گا۔''

اور مقسم بہ (جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہو) کا ذکر کرنا ہی اصلی صورت ہے جیسے سابقہ مثالوں میں بیان کیا گیا ہے اور بسا اوقات اکیلے مقسم بہ کو حذف کیا جاتا ہے' جیسے آپ کا یہ قول:

"أحلف عليك لتجتهدن ."

''میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ضرور محنت کریں گے۔''

کبھی یہ عامل کے ساتھ حذف کیا جاتا ہے اور ایسا ہونا بہت زیادہ ہے، جیسے فرمان الٰہی ہے:

﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴾ (التکاثر: 8)

''پھر اس روز تم سے (شکر) نعمت کے بارے میں پوچھ ہوگی۔''

اصل میں مقسم علیہ کو ذکر کرنا چاہیے، یہ قرآن میں بہت زیادہ ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ﴾ (التغابن : 7)

''کہہ دو کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔''

اور کبھی اسے جوازاً حذف بھی کیا جاتا ہے' جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ ﴾ (ق : 1)

''ق۔اور قسم ہے بزرگی والے قرآن کی۔''

اس میں ''لیہلکنّ'' انہیں ضرور ہلاک کیا جائے گا' مقدر ہے۔

اور کبھی اسے وجوباً بھی حذف کیا جاتا ہے جب اس سے پہلے یا اس کے ساتھ ایسا لفظ جو مقسم علیہ کے ذکر سے بے نیاز کردے۔ ابن ہشام مغنی میں لکھتے ہیں: ''اور اس کے لیے مثال بیان کی گئی ہے جیسے کہ:

"زيد قائم والله ." اور:"وزيد والله قائم ."

قسم کے دو فائدے:

پہلا فائدہ......: مقسم بہ کی عظمت کا بیان۔

دوسرا فائدہ......: مقسم علیہ کی اہمیت کا بیان اور اس کو مؤکد کرنے کا ارادہ۔ اسی لیے سوائے بذیل مواقع کے قسم کو اچھا نہیں سمجھا جاتا:

اول: مقسم علیہ بہت بڑی اہمیت والا ہو۔

دوم: یہ کہ مخاطب کو اس کے بارے میں تردد ہو۔

سوم: یہ کہ مخاطب اس کا منکر ہو (مانتا ہی نہ ہو)۔

قصص

لغوی معنی:

قصص لغت میں قصہ کی جمع ہے۔ قصہ عربی زبان میں اثر پر چلنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

ایسے قضیہ کی خبر دینا ہے جو کئی مراحل والا ہو اور (یہ مراحل) ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہوں۔" قرآنی قصے سب سے زیادہ سچے قصے ہوتے ہیں' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً﴾ (النساء : 87)

''اور اللہ سے بڑھ کر بات کا کون سچا ہے؟''

یہ اس لیے ہے کہ قرآنی قصہ (لفظاً اور معناً) پورا پورا واقع کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اور قرآنی قصے ہی سب سے بہترین قصے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ﴾ (یوسف : 3)

'' (اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، آپ کو ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں۔''

یہ اس لیے کہ قرآنی قصے کمال بلاغت اور جمال معانی کے اعلیٰ درجات کو شامل ہوتے ہیں اور قرآنی قصے ہی سب سے نفع مند قصے ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُوْلِي الْأَلْبَابِ﴾ (یوسف: 111)

''ان کے قصے میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے عقل مند لوگوں کے لیے۔''

یہ اخلاق و اعمال اور دلوں کی اصلاح میں اس کی تاثیر کی وجہ سے ہے۔

قصوں کی اَقسام:

قصص کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم:...... یہ قسم انبیاء اور رسولوں کے متعلق ہے اور ان پر ایمان لانے والوں اور کافروں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا۔ (ان کے متعلق اخبار کے حصول کے لیے موثوق مصدر کتاب وسنت ہیں)۔

دوسری قسم:......ان افراد اور جماعتوں کے متعلق ہیں' جن کے ساتھ عبرت انگیز واقعات پیش آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قصوں کو نقل کیا ہے' جیسا کہ سیدہ مریم علیہا السلام کا قصہ، سیدنا لقمان رحمہ اللہ کا قصہ، جو بستی اپنی چھت کے بل گری پڑی تھی' جو اس بستی والوں کے ساتھ پیش آیا، ذی القرنین' قارون، اصحاب کہف، اصحاب فیل اور اصحاب اخدود وغیرہ کے قصے۔

تیسری قسم: ......ان حادثات اور اقوام کے متعلق ہیں جو نبی کریم ﷺ کے دور میں تھے۔ جیسے غزوہ بدر، احد، احزاب، بنی قریظہ، بنی نضیر، زید بن حارثہ اور ابولہب کا قصہ وغیرہ۔

قصوں کی حکمتیں:

قرآن کریم میں حکایت کیے گئے قصوں میں بہت سی حکمتیں ہیں' ان میں سے چند یہ ہیں:

① اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کا بیان جو اس قسم کے قصہ کو متضمن ہے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ○ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ﴾ (القمر: 4 تا 5)

''اور ان کو ایسے حالات (سابقین) پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت ہے اور کامل دانائی (کی کتاب بھی) لیکن ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا۔''

② مکذبین کو سزا دینے میں عدل الٰہی کا بیان، اللہ تعالیٰ مکذبین کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَـٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ﴾

(هود: 101)

''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا غرض جب تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا کہ جن معبودوں کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔''

③ مؤمنین کو ثواب دینے میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا بیان، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِباً إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ○ نِعْمَةً مِّنْ عِندِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ﴾ (القمر : 34 تا 35)

''تو ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے؛ ہم نے ان کو پچھلی رات ہی سے بچالیا اپنے فضل سے۔ شکر گزاروں کو ہم ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔''

④ مکذبین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والی تکلیف پر تسلی، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ○ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ (القمر : 25 تا 26)

''اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں، صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آتے رہے۔ پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھ) میرا عذاب کیسا ہوا۔''

⑤ مؤمنین کو ایمان پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب اور ایمان کی زیادتی۔ جب وہ یہ بات جان لیں کہ سابقہ مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے کیسے نجات دی اور ان کی مدد کی جنہیں جہاد کا حکم دیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

(الانبیاء : 88)

''تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی، اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلاً إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاؤُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(الروم : 47)

''اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر اُن کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے سو مجرمین سے ہم نے بدلہ لے لیا اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔''

⑥ کافروں کو ان کے کفر پر قائم رہنے سے ڈرانا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا﴾ (محمد : 10)

''کیا انہوں نے زمین کی سیر نہیں کی تو دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا ہوا؟ اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا۔''

⑦ نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات اور اس بات کی خبر کہ سابقہ امتوں کی خبریں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلاَ قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَذَا﴾ (هود : 49)

''یہ غیب کی خبروں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں، اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی)۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لاَ يَعْلَمُهُمْ إِلاَّ اللَّهُ﴾ (ابراهيم : 9)

'' بھلا تمہیں اُن لوگوں کے حالات کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح، عاد، ثمود کی قوم اور جو اُن کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔''

قصوں کا تکرار

قرآنی قصوں میں بعض ایسے ہیں جو صرف ایک ہی بار آتے ہیں' جیسے سیدنا لقمان کا قصہ' اصحاب کہف کا قصہ اور ان میں سے بعض قصے ایسے ہیں جو ضرورت کے پیش نظر مصلحت کے تقاضے کے مطابق تکرار کے ساتھ آتے ہیں۔ لیکن یہ تکرار ایک ہی طرح سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا اسلوب طویل اور مختصر' نرم اور سخت ہونے کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اور قصے کے بعض پہلو ایک موقع پر بیان کیے جاتے ہیں جبکہ بعض پہلو دوسرے موقع پر بیان ہوتے ہیں۔

اس تکرار کی کئی ایک حکمتیں ہیں' ان میں سے چند یہ ہیں:

1. اس قصہ کی اہمیت کا بیان۔ کیونکہ اس کا تکرار اس کے اہتمام پر دلالت کرتا ہے۔
2. اس قصہ کی تاکید' تاکہ لوگوں کے دل ثابت قدم رہیں۔
3. قصہ میں زمانہ اور مخاطبین کے حال کی رعایت، اس لیے آپ کبھی اس میں ایجاز پائیں گے اور کبھی سختی، (یہ سختی) غالباً ان قصوں میں ہے جو مکی سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اور مدنی سورتوں میں اس کے برعکس معاملہ ہے۔
4. حال کے تقاضے کے مطابق کسی قصہ کو کبھی ایک رنگ میں اور کبھی دوسرے رنگ میں بیان کرنے سے قرآن کی بلاغت اور اعجاز کا اظہار۔
5. قرآن کی صداقت کا اظہار اور یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اس لیے ایک ہی قصہ کو مختلف انداز میں بیان کیا جاتا ہے' مگر ان میں کوئی تناقض نہیں پایا جاتا۔

اسرائیلیات

اسرائیلیات ❶ سے مراد بنی اسرائیل یہود۔ یہی اکثر روایت والے ہیں۔ اور نصاری سے منقول خبریں ہیں۔ ان اخبار کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم: ...... وہ اخبار ہیں جنہیں اسلام نے برقرار رکھا ہو اور ان کے سچا ہونے کی گواہی دی ہو؛ وہ حق ہیں۔ اس کی مثال:

امام بخاری رحمہ اللہ کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ یہ قصہ ہے کہ:

''یہود کے علماء میں سے ایک عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا:

''اے محمد ﷺ! ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر جمع کر لے گا، درخت ایک انگلی پر ہوں گے، پانی اور مٹی ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوق ایک انگلی پر اور وہ کہے گا:

'' أنا الملك '' میں ہی بادشاہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ اس عالم کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس دیے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّماوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾

(الزمر : 67)

''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں

❶ عموماً ان سے بچ کر رہنا واجب ہے؛ خصوصاً جب ان میں کسی نبی پر عیب یا الزام لگایا گیا ہو۔

گے اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔'' ❶

دوسری قسم: ...... وہ اخبار ہیں جن کا اسلام نے انکار کیا ہو اور ان کے جھوٹ ہونے کی گواہی دی ہو، وہ باطل ہیں۔

اس کی مثال: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''یہود کہا کرتے تھے: ''جب مرد عورت کے پیچھے سے جماع کرتا ہے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُواْ حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (البقرہ: 223)

''تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔'' ❷

تیسری قسم: ...... جن کو اسلام نے نہ تو برقرار رکھا ہو اور نہ ہی ان کا انکار کیا ہو۔ ایسے واقعات کے بارے میں توقف کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے اور اسے اہل اسلام کے لیے عربی میں تفسیر کیا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب' اور کہو:

﴿قُولُواْ آمَنَّا بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ﴾

(البقرہ: 136)

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اُتری اس پر اور جو نازل کیے گئے (ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر ......۔''

اس قسم کو بیان کرنا جائز ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی ممنوعہ خوف نہ ہو (کہ لوگ کتاب و سنت کو چھوڑ کر ان قصوں کے پیچھے لگ جائیں)، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

❶ متفق علیہ۔ بخاری ۱۱۸۱٤؛ مسلم ۲۸٦۔

❷ متفق علیہ ۔بخاری ٤٥۲۸؛ مسلم ۱٤۳٥۔

((بلغوا عني ولو آية، حدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج، ومن كذب علي متعمداً فليتبوا مقعده من النار.)) ❶

''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے بیان کرو' اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنائے۔''

اور غالب طور پر ان سے جو روایت کیا جاتا ہے اس کا دین میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جیسا کہ اصحاب کہف کے کتے کے رنگ کا تعین وغیرہ۔

رہا اہل کتاب سے امورِ دین میں سے کسی چیز کے متعلق سوال کرنا؛ تو یہ حرام ہے۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تسألو أهل الكتاب فإنهم لن يهدوكم وقد ضلوا، فإنكم إما أن تصدقوا بباطل أو تكذبوا بحق 'وإنه لو كان موسى حياً بين أظهر كم ما حل له إلا أن يتبعني.)) ❷

''اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھو، بیشک وہ ہرگز تمہیں ہدایت نہیں بتائیں گے وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں، مگر تم بیشک یا تو باطل کی تصدیق کرو گے یا حق کو جھٹلاؤ گے اور بے شک اگر موسیٰ بھی زندہ تمہارے درمیان موجود ہوتے تو ان کے لیے بھی سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ میری اتباع کریں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اے مسلمانوں کی جماعت! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیسے

---

❶ بخاري(٣٤٦١).

❷ مسند احمد ٣٨٧/٣؛ هيثمى مجمع ١٧٤/١ پر کہتے ہیں اس کی سند میں مجالد بن سعید ہے؛ اس کو امام احمد اور یحییٰ بن سعید وغیرہا نے ضعیف کہا ہے۔

سوال کرتے ہو کہ تمہاری کتاب جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ پر نازل کی ہے، وہ اللہ کے ہاں سے بالکل تازہ دم خبر ہے' وہ ابھی پرانی نہیں ہوئی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدل دیا تھا اور اس میں تغیر کر دیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا تھا اور کہنے لگے:

''یہ اللہ کی طرف سے ہے، تا کہ وہ اس پر بہت تھوڑا سا مول لے سکیں۔''

کیا تمہارے پاس جو علم آ چکا ہے وہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان سے سوال کرو۔ اللہ کی قسم! ہم نے ان میں کوئی آدمی نہیں دیکھا جو تم سے اس بارے میں سوال کرتا ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔'' ❶

❶ بخاری ۷۳٦۳۔ اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق جو مشہور ہے کہ وہ اسرائیلیات روایت کرتے ہیں' محض ایک الزام ہے۔ جب آپ لوگوں کو اس چیز سے منع کرتے ہیں' پھر ان سے کیسے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ خود بنی اسرائیل سے روایت کرتے ہیں؟

اسرائیلیات کے بارے میں علماء کا موقف

حضرات علماء کرام ؒ خصوصاً مفسرین حضرات اسرائیلیات کے بارے میں تین گروہوں میں بٹ گئے ہیں:

① ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے بکثرت ان اسرائیلیات کو سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان کی رائے میں جب وہ سند سے روایت کر رہے ہیں تو اس ممانعت سے باہر ہو گئے جو اسرائیلیات کے متعلق ہے۔ ان میں ابن جریر طبری ؒ بھی ہیں۔

② ایسے علماء بھی ہیں جنہوں نے اسرائیلیات کی سند کے بغیر ہی کثرت سے نقل کیا ہے۔ تو ان کا حال رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والوں کی طرح رہا۔ جیسا کہ امام بغوی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ ان کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ ثعلبی کی تفسیر کا اختصار ہے۔ لیکن اسے موضوع احادیث اور مبتدعین کی آراء سے بچالیا ہے اور ثعلبی کے متعلق فرماتے ہیں: ''وہ رات کو لکڑیاں جمع کرنے والا ہے' کتبِ تفسیر میں جو کچھ بھی پاتا ہے' صحیح' ضعیف اور موضوع سب کچھ نقل کرتا ہے۔''

③ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے بہت کچھ نقل کیا اور بعض پر تعاقب بھی کیا ہے، اسے ضعیف کہا اور اس کا انکار بھی کیا ہے؛ جیسے ابن کثیر ؒ۔

④ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں ان کے رد میں مبالغہ کیا ہے اور اسرائیلیات میں سے کچھ بھی تفسیر قرآن کے طور پر نقل نہیں کیا۔ جیسے امام رشید رضا۔

ضمیر

لغوی معنی:

ضمیر لغت میں ضمور سے ہے، اس کا معنی ہے کمزور، حروف کی کمی کی وجہ سے، یا پھر اس کا معنی اضمار؛ سے ہے: یعنی پوشیدگی (کیونکہ اضمار کا معنی ہے چھپا ہوا ہونا) یہ اس کے کثرت سے مستتر آنے کی وجہ سے ہے۔

اصطلاحی معنی:

اختصار کے لیے جسے اسم ظاہر سے کنایہ لیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ضمیر وہ ہے جو اپنے اصل مادہ سے ہٹ کر غائب یا موجود پر دلالت کرے۔

حاضر پر دلالت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:...... جسے متکلم کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ جیسے:

﴿ وَأُفَوِّضُ أَمْرِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ﴾ (المؤمن: 44)

''اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔''

دوسری قسم:...... جسے مخاطب کے لیے وضع کیا گیا ہو' جیسے:

﴿ صِرَٰطَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ (الفاتحہ: 7)

''ان لوگوں کے رستے پر جن پر تو اپنا انعام کیا۔''

یہ دونوں قسمیں دلالت حضور کی وجہ سے مرجع کی محتاج نہیں ہوتی۔

غائب پر دلالت کرنے والی ضمیر وہ ضمیر ہے جسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اس کے لیے ایسے مرجع کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف یہ ضمیر لوٹتی ہو۔

مرجع میں اصل اس کا لفظاً اور رتبۃً ضمیر پر مقدم ہونا اور لفظ اور معنی میں اس سے

مطابقت رکھنا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ﴾ (هود : 45)

''اور نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو آواز دی۔''

اور کبھی یہ مرجع سابقہ فعل کے مادہ سے سمجھا جا سکتا ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (المائده : 8)

''عدل کرو' یہ تقوی کے قریب تر ہے۔''

کبھی یہ مرجع رتبہ میں مقدم ہوتا ہے' لفظ میں نہیں، مثال کے طور پر:

"حمل كتابه الطالب."

''اپنی کتاب اٹھائی طالب علم نے۔'' (اس مثال میں کتابہ متقدم ہے)

کبھی یہ سیاق آیت سے سمجھ میں آ سکتا ہے' مثال کے طور پر:

﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ (النساء : 11)

''اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے بشرطیکہ میت کی اولاد ہو۔''

اس میں ضمیر میت کی طرف لوٹتی ہے' جسے اس قول سے سمجھا جا سکتا ہے: ﴿مِمَّا تَرَكَ﴾

کبھی ضمیر معنی سے مطابقت نہیں رکھتی' جیسے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ٥ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾ (المؤمنون: 12تا 13)

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔''

یہ ضمیر انسان پر لوٹتی ہے لفظ کے اعتبار سے، کیونکہ جس چیز کو رکھا گیا وہ نطفہ ہے' انسان نہیں۔

جب مرجع مفرد اور جمع کے لیے مناسب ہو تو جائز ہے کہ ضمیر کا مرجع ان میں سے کوئی ایک ہو۔ اس کی مثال (یہ فرمانِ الٰہی ہے):

﴿وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا﴾ (الطلاق: 11)

''اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ ان کو باغات بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔''❶

جب ضمائر متعدد ہوں تو اس وقت اصل مرجع کا اتحاد ہے، (اس کی) مثال:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ (النجم: 5 تا 10)

''ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا۔ بڑی حکمت والے نے؛ پھر وہ سیدھا ہوا۔ اور وہ اونچے کنارے میں تھے۔ پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔ تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔''

ان آیات میں تمام مرفوع ضمائر کا مرجع ''شدید القویٰ'' یعنی حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

اور اصل یہ ہے کہ ضمیر اپنے قریب تر مرجع کی طرف لوٹے۔ سوائے دو مضافوں کے، اس صورت میں ضمیر مضاف إلیہ کی طرف ہی لوٹے گی، کیونکہ اس کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ اس کی پہلی مثال:

﴿وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ (الاسراء: 2)

❶ یدخلہ مفرد ہے، جب کہ خالدین جمع ہے ''لہٗ'' مفرد ہے۔

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما بنایا تھا۔''

:.....اس میں ضمیر کا مرجع کتاب ہے' کیونکہ قریب تر مذکور وہی ہے۔

دوسری مثال:

﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَةَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا﴾ (النحل : 18)

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو۔''

:...... یہاں پر ضمیر کا نعمت ہے۔

اور کبھی سابق کے برعکس نے اپنے اصل کے برخلاف بھی ضمیر آتی ہے جس پر کوئی دلیل دلالت کرتی ہو۔

اظہار کی جگہ اضمار

ضمیر کی جگہ ضمیر کا آنا ہی اصل ہے، چونکہ یہ معنی کے لیے زیادہ واضح ہوتا ہے اور الفاظ میں زیادہ اختصار ہوتا ہے۔ اسی لیے ضمیر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں نائب کے طور پر آئی ہے:

﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: 35)

''ان کے لیے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

یہ ضمیر اپنے سے پہلے مذکور بیس کلمات (کے نائب کے طور پر) آئی ہے۔

بسا اوقات ضمیر کی جگہ اسم ظاہر بھی لایا جاتا ہے اور اس کو ''الإظهــار مــوضــع الإضــمار'' ضمیر کی جگہ ظاہر کو لانا'' کہتے ہیں۔ اس کے بہت سے فوائد ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

①: اسم ظاہر کے تقاضے کے مطابق مرجع پر حکم۔ ②: حکم کی علت کا بیان۔

③: اس صفت سے بہرہ ور ہر ایک کے لیے اس حکم کا ثبوت جس کا تقاضا اسم ظاہر کرتا ہے۔

اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ: 98)

''جو شخص اللہ کا، اُس کے فرشتوں کا، اُس کے پیغمبروں کا، جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک ایسے کافروں کا دشمن اللہ تعالیٰ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے بلکہ فرمایا: ''کافروں کا دشمن ہے۔''

اس اظہار کے کئی فوائد حاصل ہوئے، ان میں سے چند یہ ہیں:

①: اللہ تعالیٰ، اُس کے فرشتوں، اُس کے پیغمبروں، جبریل اور میکائیل کے دشمن پر کفر کا حکم۔

2: ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کا دشمن ہے۔

3: اللہ تعالیٰ ہر ایک کافر کا دشمن ہے۔

اس کی دوسری مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ﴾ (الاعراف: 170)

''اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز کا التزام رکھتے ہیں، بے شک ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

یہ نہیں فرمایا: ''ہم ان کا اجر ضائع نہیں کرتے'' (بلکہ فرمایا: ''نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے'') اس سے تین باتوں کا فائدہ حاصل ہوا۔

1: ان لوگوں کی اصلاح کا حکم جو کتاب کو پکڑے رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

2: ان کی اصلاح کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اجر دینے والا ہے۔

3: ہر اصلاح کرنے والے کے لیے اللہ کے ہاں اجر ہے جو کبھی ضائع نہیں ہوگا۔

اور بسا اوقات (ضمیر کی جگہ) اسم ظاہر لانا متعین ہوجاتا ہے، جیسا کہ ضمیر سے پہلے دو مرجع ایسے گزرے ہوں کہ ان میں سے ہر ایک اس ضمیر کے مناسب اور درست ہو لیکن ان میں سے کوئی ایک ہی مراد ہو جیسا کہ اس دعا میں ہے:

((اللهم أصلح للمسلمين ولاة أمورهم و بطانة ولاة أمورهم.))

''اے اللہ مسلمان کے لیے ان کے حکمرانوں کی اصلاح کر دے اور ان حکمرانوں کے حاشیہ نشینوں کی اصلاح کر دے۔''

''یہاں پر یہ جائز تھا کہ کہا جاتا: ''و بطانتهم'' مگر اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ اس سے مراد عام مسلمانوں کے حاشیہ نشین (دوست و مددگار) مراد ہیں۔

ضمیر فصل

ضمیر فصل ... ضمیر مرفوع منفصل کا وہ حرف ہے جو مبتدا اور خبر کے درمیان واقع ہوتا ہے جب یہ دونوں معرفہ ہوں۔ (اس بنا پر اعراب میں اس کا کوئی محل (مقام) نہیں ہوگا۔)

اور یہ ضمیر متکلم سے بھی آتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا﴾ (طٰہٰ: 14)

"بےشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾ (الصافات: 165)

"اور بےشک ہم صف باندھے رہتے ہیں۔"

ضمیر مخاطب سے بھی (ضمیر فصل) آتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ (المائدہ: 117)

"اور آپ ہی ان پر نگہبان تھے۔"

اور ضمیر غائب سے بھی (ضمیر فصل) آتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (البقرہ: 5)

"اور وہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔"

اس کے تین فوائد ہیں:

1. تاکید: ...... جب آپ کہتے ہیں: "زيد هو أخوك" زید وہ آپ کا بھائی ہے۔ اس میں زیادہ تاکید ہے بہ نسبت اس کے کہ آپ کہیں: "زيد أخوك" زید آپ کا بھائی ہے۔
2. حصر: ...... اس سے مراد یہ ہے کہ جو اس سے پہلے گزر چکا ہے اس کو بعد والے کے

ساتھ خاص کر دینا۔ جب آپ کہتے ہیں: "المجتھد ھو الناجح" محنت کرنے والا وہی کامیاب ہوگا۔'' اس میں یہ بات فائدہ دیتی ہے کہ کامیابی محنت کرنے والے کو ہی ملتی ہے۔

③ فصل:...... یعنی اس کے بعد والے جملہ کی تمیز کہ وہ خبر ہے یا تابع۔ جب آپ کہتے ہیں: "زید الفاضل" ''زید فاضل۔ اس میں احتمال ہے کہ فاضل زید کی صفت ہو اور خبر کا انتظار ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ خبر دے رہے ہوں کہ زید فاضل ہے۔ جب آپ کہہ دیں کہ: "زید ھو الفاضل" ''زید وہ فاضل ہے۔'' تو یہ متعین ہوگیا کہ فاضل خبر ہے' اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان ضمیر فصل موجود ہے۔

التفات

التفات سے مراد یہ ہے کہ کلام کے اسلوب کو ایک انداز سے دوسرے میں تبدیل کرنا۔ اس کی کئی صورتیں ہیں' ان میں سے چند یہ ہیں:

❶ غائب سے مخاطب کی طرف التفات: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ (الفاتحہ: 2 تا 4)

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہیں جو تمام مخلوقات کا رب ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔انصاف کے دن کا مالک ہے۔اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

یہاں کلام کو غائب سے مخاطب کی طرف تحویل کیا گیا ہے، اس قول "اِیَّاكَ" سے۔

❷ مخاطب سے غائب کی طرف التفات: جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَجَرَیْنَ بِهِمْ﴾ (یونس: 22)

''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ ان کو لے کر چلنے لگتی ہیں۔''

یہاں پر ﴿وَجَرَیْنَ بِهِمْ﴾ سے خطاب کو مخاطب سے غائب کی طرف موڑا گیا ہے۔

❸ غائب سے متکلم کی طرف التفات: جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا﴾ (المائدہ: 12)

''اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے۔''

یہاں پر لفظ ﴿وَبَعَثْنَا﴾ لا کر غائب سے متکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے۔

④: متکلم سے غائب کی طرف التفات: جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر)

''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کریں اور قربانی کیا کریں۔''

میں لفظ "لربك" سے کلام کو متکلم سے غائب کی طرف موڑا گیا ہے۔

(التفات کے فوائد):

التفات کے بہت سے فوائد ہیں' ان میں سے چند یہ ہیں:

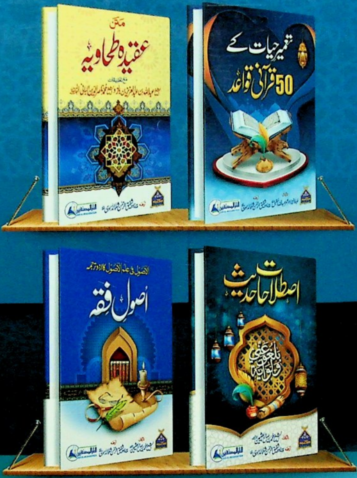
①: اسلوب کے تبدیل ہونے سے مخاطب کو بیدار اور متوجہ کرنا۔

②: اسے معانی میں غور وفکر پر برانگیختہ کرنا۔ کیونکہ اسلوب کا بدل جانا سبب میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

③: تھکان اور ملال کو دور کرنا' اس لیے کہ ایک ہی اسلوب پر مستقل رہنے سے جی اکتا جاتا ہے۔

التفات کے یہ عام فوائد اس کی تمام صورتوں میں ہیں، جبکہ خاص فوائد کا تعین ہر صورت اور مقام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وصلى الله تعالىٰ على نبينا محمد و على آله و صحبه و بارك و سلم عليه



دار المصنفین
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

G/F-6 ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0308-6222418 0300-4262092
Facebook/Dar-ul-Musannifeen
darulmusannifeen@gmail.com

1234567891